

عمراں لنگیاں پھباں پار

عشنا کوثر سردار



عمراں لنگیاں پھباں پار

کہیں آرزوئے سفر نہیں' کہیں منزلوں کی خبر نہیں' کہیں راستہ ہی اندھیر ہے' کہیں پا نہیں' کہیں پر نہیں' اے ہوائے موسم غم ذرا مجھے ساتھ رکھ میرے ساتھ چل' میرے ساتھ میرے قدم نہیں' میرے پاس میری نظر نہیں۔

چلتے چلتے اس نے رک کر ایک نظر گھڑی پر ڈالی تھی۔

یقیناً بہت دیر ہو گئی تھی۔ اینہ خانم کا خیال آیا تو اس نے واپسی کے لیے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ یقیناً وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔ وہ آئی بھی تو بغیر بتائے ہی تھی۔ اس نے سوچتے ہوئے سیاہ ہوتی شام کو بغور دیکھا تھا۔ پرندے اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔ خوش خوش کہ ننھے منے گھونسلے ہی ان کا مسکن تھا' جہاں جا کر وہ اپنی دن بھر کی تھکن دور کرتے تھے۔ کتنے خوش نصیب تھے یہ پرندے۔ جنہیں ایک گھر میسر تھا...... اور وہ......؟

شام کی گہرائیوں کے ساتھ ساتھ ایک گہرا اضطراب اس کے رگ و پے میں بھی اتر رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا۔ یوں ہی چلتے چلتے' راہوں میں بھٹکتے بھٹکتے اپنی زندگی ختم کر ڈالے' اور کسی طرح مڑ کر اس ''جہنم'' میں واپس نہ جانا پڑے' جہاں جا کر اسے زندگی موت سے زیادہ بدتر معلوم ہونے لگتی تھی۔ کس قدر وحشت تھی وہاں' اور اس سے دگنی وحشت وہ اپنے اندر محسوس کرنے لگتی تھیں۔

اسے گھر کا نام تو ہرگز نہیں دیا جا سکتا تھا۔ گھر بھلا ایسے کہاں ہوتے ہیں۔ وہ جب سوچتی تھی' تو خود آپ اپنی سوچوں پر اپنی باتوں پر ہنسی آتی تھی۔ کتنا ''مقدس'' ہے لفظ

’’گھر‘‘ گھر تو سپنا ہے‘ جیون ہے۔جیت ہے‘ مگر امینہ خانم کا یہ وسیع وعریض ’’قلعہ‘‘ کسی طور بھی ان خوبیوں پر پورا نہ اترتا تھا۔

گھر کا تصور ہی بہت حسین اور انوکھا ہے۔ایک ایسا مقام‘ جہاں دن بھر کے تھکے ہارے لوگ نہ صرف بسیرا کرنے آتے ہیں‘ بلکہ وہ اپنی محبت کی اینٹوں سے چاہت کے گارے کے ساتھ اس مکان کی تعمیر بھی کرتے ہیں۔باہم خلوص اور اپنائیت کے ساتھ‘ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک خوشیوں میں شریک۔ایک ایک پل کے ہم سفر‘ مکین گھروں کو جنت کا سا مقام عطا کرتے ہیں‘ جبکہ امینہ خانم کی کوٹھی میں اندھیرا پھیلتے ہی جشن کا سا سماں ہو جاتا تھا۔عیش پرست‘ لوگوں کا تانتا بندھ جاتا تھا۔رات گئے تک رقص و موسیقی کی آوازیں‘ گھنگروؤں کی چھن چھن‘ طبلے کی تھاپ‘ کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اترتی۔

اگرچہ اس کا پورشن قدرے الگ تھلگ تھا‘ اور وہ ان باتوں سے بہت دور تھی‘ ابھی مگر پھر بھی نہ جانے کیوں اسے یہ سب بہت برا محسوس ہوتا تھا۔دل چاہتا تھا کہیں دور بھاگ جائے‘ مگر یہ سوچ صرف سوچ ہی رہ جاتی تھی۔وہ ہر روز اس وحشت سے بچنے کے لیے باہر نکل آتی تھی۔ایک بے چین‘ بھٹکتی ہوئی روح کے مانند ادھر ادھر بولائی بولائی پھرتی رہتی۔

سکون واطمینان کی تلاش میں سرگرداں۔

مگر لاکھ کوشش کے بعد بھی یہ چیزیں اس کی نظروں سے اوجھل ہی رہی تھیں۔نہ جانے کہاں تھا سکون واطمینان۔دنیا میں کہیں تھا بھی کہ نہیں۔اس کی روح تو ابھی تک ان چیزوں کی متلاشی ہی رہی تھی۔

ہر روز ایک کبھی نہ ختم ہونے والا گہرا اضطراب‘ بے کلی۔اس کے اندر سرایت کر جاتے تھے‘ اور وہ وحشت زدہ سی ماری ماری پھرتی رہتی۔کبھی کسی سڑک پر‘ کبھی کسی پارک میں‘ کبھی کسی ریسٹورنٹ میں۔کبھی یہاں کبھی وہاں‘ مگر حاصل صفر۔

سوچوں کے دھاروں کے ساتھ اس نے خاصا فاصلہ طے کر لیا تھا‘ اور اب وہ اپنی رہائش گاہ کے سامنے کھڑی تھی۔اس نے باہر ہی رک کر اس وسیع وعریض رقبے پر پھیلی ہوئی عمارت کو دیکھا تھا۔چند گہرے گہرے سانس لیے تھے‘ اور پھر اندر داخل ہو گئی تھی۔

’’موبی! میری جان کہاں چلی گئی تھی تو۔میں پریشان ہی ہو گئی تھی۔کم از کم بتا کر جا کر۔‘‘ امینہ خانم نے اسے دیکھتے ہی کہا۔وہ اطمینان سے بیٹھ کر جوگرز کی لیس کھولنے لگی۔

’’اتنی دیر تک نہ رہا کر باہر۔میرا دل ہولتا ہے۔‘‘ وہ پھر بولیں۔وہ جوگرز اتار کر صوفے پر ہی لیٹ گئی۔ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔

’’ماسٹر اللہ دتہ آئے تھے۔ابھی ابھی گئے ہیں۔تیرا انتظار کر کے اور تیری ٹیوٹر بھی آئی تھی شام میں۔‘‘ اس نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔’’تھک گئی ہو۔‘‘ وہ اس پر جھکیں۔اس نے ایک نظر ان کے چہرے کی طرف دیکھا وہاں ’’ماتا‘‘ والی خاص کیفیت تھی۔وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

’’آپ پریشان نہ ہوا کریں۔میں ٹھیک ہوں۔‘‘

’’بے وقوف‘ تیری فکر میں نہیں کروں گی‘ تو بھلا کون کرے گا۔چل اٹھ کھانا کھائیں۔‘‘ انہوں نے پیار سے اسے اپنے ساتھ لگایا۔وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’گھر بیٹھی بیٹھی بور ہوتی رہتی ہو۔دوبارہ سے اپنی پڑھائی کیوں نہیں شروع کر دیتیں؟‘‘

’’پڑھائی۔‘‘ اس کے منہ سے نکلا اور ساتھ ہی ایک تلخ سی مسکراہٹ چہرے پر بکھر گئی۔

’’آپ شاید نہیں جانتیں۔ہماری شناخت ہمیں کبھی بھی ڈھنگ سے جینے نہیں دیتی۔‘‘

’’مت پروا کیا کر کسی کی۔یہ دنیا بھلا کب کسی کی بنی ہے۔‘‘

’’پروا کرنی پڑتی ہے۔‘‘ وہ پھر تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

’’اچھا بس کر اب۔کھانا پہلے ہی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔دیکھ آج میں نے تیری پسند کی ڈش بنوائی ہے۔اچار گوشت‘ اب جلدی سے شروع ہو جا۔‘‘

وہ مسکراتی ہوئی ڈش میں سے سالن نکالنے لگی۔

’’اور سن کل کہیں مت غائب ہو جانا۔ماسٹر اللہ دتہ میری جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے‘ اور ہاں تم ریاض وغیرہ بھی کرتی ہو کہ نہیں؟‘‘ اس کا نوالہ ہاتھ میں ہی رہ گیا۔

’’کیا ہوا؟‘‘ انہوں نے اسے دیکھا۔’’کھا کیوں نہیں رہی؟‘‘

’’بھوک نہیں ہے۔‘‘ اس نے نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔امینہ خانم اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئیں۔

✦ ◈ ✦

سورج ڈھلتے ہی

یوں اترتے ہیں دل میں دکھ

جیسے خالی مکاں میں
دن بھر کے تھکے ہارے لوگ
شام کو بسیرا کرنے آتے ہیں

وہ کمرہ اندھیرا کیے پڑی تھی۔ جب امینہ خانم اندر داخل ہوئیں۔

"آخر تجھے ہوتا کیا جا رہا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ ہر طرح کا آرام ہے۔ جو خواہش کرتی ہے پوری کرتی ہوں پھر بھی...... آخر کیا چاہتی ہے تو۔ ماسٹر صاحب آئے بیٹھے ہیں۔ چل اٹھ جلدی سے باہر آ جا ورنہ ناراض ہوں گے وہ۔"

وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی' پھر اٹھ بیٹھی۔

عجیب سی دہشت تھی اس کی آنکھوں میں۔ امینہ خانم دیکھتی رہ گئیں۔

"کیا پریشانی ستاتی ہے تجھے؟ مجھے بتا میری جان' کیا تکلیف ہے تجھے؟" انہوں نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

"آپ نے ابھی کہا تھا ناکہ آپ میری ہر خواہش پوری کرتی ہیں۔ پلیز ایک خواہش میری اور بھی پوری کر دیں۔ آخری خواہش سمجھ کر۔ اس کے بعد میں کوئی خواہش نہیں کروں گی۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "میں جینا چاہتی ہوں سکون کے ساتھ' اطمینان کے ساتھ اور عزت کے ساتھ۔ پلیز۔ مجھے جینے دیں۔" اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگ گئی۔

"میری جان! تو اور کچھ بھی مانگ لے۔ میں تجھے دوں گی' مگر مجھ سے یہ سب نہ مانگ جو میری دسترس میں بھی نہیں۔ ہم لوگ سدا ہی ان چیزوں سے محروم ہیں۔ ہماری ذات دوسروں کو تو یہ سب کچھ مہیا کرتی ہے' مگر خود پیاسی رہ جاتی ہے۔ سکون' اطمینان ہماری قسمت میں نہیں' اور تو جو ہر گھڑی عزت کا راگ الاپتی رہتی ہے تو' اتنا سن لے کہ اس عزت کی دنیا میں ہمارے لیے کوئی مقام نہیں۔ اگر ہم عزت کی زندگی بسر کرنے بھی لگ جائیں' تو یہ دنیا والے ہمیں نہیں چھوڑتے۔ طعنوں سے ہمارا سینہ چھلنی کر دیتے ہیں۔ بٹیا مت دیکھا کر ایسے خواب جن کی کوئی تعبیر نہیں۔ آنکھوں کو اذیت مت دیا کر اپنی۔ تیری ماں بھی ایسے ہی خواب دیکھا کرتی تھی مگر......" وہ کچھ بولتے بولتے رک گئیں' پھر بولیں تو ان کی آواز گلوگیر تھی۔

"بس تو اتنا جان لے میری جان کہ ہمیں اسی حیثیت میں رہنا ہے۔ اسی دنیا میں اور ہماری دنیا ان شریفوں کی دنیا سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ چل اٹھ اب جلدی سے۔ ماسٹر اللہ

دتہ ناراض ہو رہے ہوں گے۔"

وہ انکار میں سر ہلاتی چلی گئی۔

"اب کیا ہوا؟"

"ہم اپنی حیثیت بدل بھی تو سکتے ہیں۔ بس ذرا سی کوشش۔"

"یہی اثر ہوا ہے میرے اتنا سمجھانے کا۔" امینہ خانم گھورنے لگیں۔ "بس ذرا سی کوشش۔ ارے میں کہتی ہوں تو یہ اچھا بھلا کالج کیوں چھوڑ کر بیٹھ گئی' اس لیے ناں کہ وہاں لڑکیاں تجھے عجیب نظروں سے دیکھتی تھیں' حالانکہ تو نے کبھی' انہیں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا' مگر ہم لوگوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ جہاں ہم جاتے ہیں' وہاں ہم سے پہلے ہماری شہرت پہنچ جاتی ہے۔ ہم لاکھ اپنی شناخت چھپائیں' مگر سب منظر عام پر آ جاتا ہے۔ چلی ہے عزت دار بننے۔ ارے ہم ان عزت داروں سے کئی درجے بہتر ہیں۔ کم از کم ہم کسی کو دھوکا تو نہیں دیتے۔ کسی سے فریب تو نہیں کرتے' اور وہ شریف اور عزت دار لوگ رات کے اندھیرے میں کس طرح ہماری چوکھٹوں پر ہمارے تلوے چاٹتے ہیں۔ کیسے مکروہ اور غلیظ ہوتے ہیں یہ عزت والے' یہ تو نہیں جانتی ابھی۔ مت کیا کر ایسی باتیں۔ میرا خون جلتا ہے۔ میں جا رہی ہوں' اب جلدی سے کپڑے بدل کر نیچے آ جا۔ کوئی بہانہ نہیں سنوں گی اب میں۔" انہوں نے تند انداز میں کہہ کر اسے دیکھا' اور باہر نکل گئیں۔ وہ مرے ہوئے دل کے ساتھ کمبل ہٹا کر اٹھی۔ الماری سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گئی۔ "ہم اپنی تقدیر سے نہیں لڑ سکتے۔" اس نے یہی سوچا تھا۔

دیر تک ریاض کرنے کے بعد وہ بیڈ پر آن گری تھی۔ چند گہرے گہرے سانس لے کر اس نے خود کو نارمل کیا تھا۔

"دودھ پی لو بے بی۔" خادم اندر داخل ہوا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ "کتنی بار کہا ہے بغیر اجازت کمرے میں مت آیا کرو۔" اس نے دودھ کا گلاس تھاما۔

"معافی چاہتا ہوں جی۔"

"بڑی بیگم کہاں ہیں؟"

"خانم جی۔ وہ تو شاید کہیں جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔" خادم نے مسکراتے ہوئے

امینہ خانم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔

موآب دیکھتی رہ گئی۔ کس قدر اسمارٹ اور چاق و چوبند تھیں وہ اس عمر میں بھی۔ بلو کلر کی کامدار ساڑھی میں کتنی بچ رہی تھیں۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ رشتے میں اس کی نانی ہیں۔

"کہیں جا رہی ہیں آپ؟" اس نے انہیں توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ تم بھی چلو گی میرے ساتھ۔ بڑا زبردست ڈنر ہے۔" انہوں نے کہا۔

"ناں...... نہیں۔" اس نے جھٹ انکار میں گردن ہلائی۔ "بہت تھک گئی ہوں میں' پھر مجھے اسٹڈی بھی کرنا ہے۔ ایگزام قریب ہی ہیں۔" اس نے جھٹ بہانہ تراشا۔ وہ مسکرا دیں۔

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔" انہوں نے جھک کر اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔ "اور ہاں زیادہ دیر تک مت پڑھنا۔ آنکھیں کمزور ہو جاتی ہیں۔" وہ ہدایات کرتی ہوئی باہر نکل گئیں' تو وہ مسکرا دی۔ جانے کیوں۔

آج کل ذہن ہر طرح کی سوچوں سے آزاد سا تھا۔ فقط ایک کام یاد تھا۔ صرف پڑھنا اور پڑھنا۔ جب سے امتحان شروع ہوئے تھے۔ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ تیاری میں لگ گئی تھی' اور جس دن وہ آخری پرچہ دے کر آئی تھی' خاصی تھکی ہوئی تھی۔ گھر آتے ہی بستر پر گر گئی پھر جو سوئی تو رات کے کھانے پر ہی اٹھی۔ وہ بھی امینہ خانم نے ہی جگایا۔

"کیا حالت بنالی ہے اپنی۔ کیسی زرد زردی ہو رہی ہو۔ بھلا کس کام کی ہے یہ پڑھائی تجھے بھی بس ضدی ہو گئی ہے۔ آخر کیا ملے گا تجھے ان ڈگریوں سے؟ بندے کا دماغ ہی خراب کرتی ہیں الٹا۔ تیری ماں کو بھی ایسا ہی خبط تھا پڑھائی کا۔ میرے منع کرنے کے باوجود اس اپنی ضد نہ چھوڑی تھی۔ تُو بھی ضد پر بالکل اپنی ماں پر گئی ہے۔" وہ کہہ رہی تھیں' اور سرشاری سنتی جا رہی تھی۔ یک دم وہ چپ سی ہو گئیں۔

"بولیے نا' رک کیوں گئیں؟" وہ تسلسل ٹوٹ جانے پر چونک سی گئی۔

"چل اٹھ نہا دھو۔ کیسی اجڑی ہوئی لگ رہی ہے۔ آتے ہی سو گئی تھی' میں نے بھی نہ جگایا کہ تھکی ہوئی ہے۔" انہوں نے بات بدل دی۔

"نہا لوں...... اس وقت؟ یاد ہے آپ منع کرتی ہیں اس وقت نہانے سے۔" وہ حیرت سے بولی۔

"اور اب میں ہی کہہ رہی ہوں۔ چل جلدی سے اٹھ۔ ملک صاحب دعوت بھی دے

گئے تھے۔ ان کے بیٹے کے پاس ہونے کی خوشی میں بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا ہے۔ آج ضرور چلنا۔ ذرا دل بہلے گا۔"

وہ برا سا منہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "آج نہیں پھر کبھی سہی۔ آج میں خاصی تھکی ہوئی ہوں' پھر نیند بھی آ رہی ہے۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ امینہ خانم مسکرا دیں۔ وہ اس طرح کی دعوتوں سے اسی طرح جان چھڑاتی تھی ہمیشہ۔

✦ ◈ ✖

اے خدا
کسی دن ایسا سورج بھی طلوع کر
جو ہمارے لیے
نئی زندگیوں کی نوید لائے
ایسی زندگیوں کی
جن کی ہمیں خواہش ہے
ایسا تابناک دن
بھلا کب طلوع ہو گا
جو ہماری تقدیر کو بدل سکے
اے خدا
ہماری اندھیر راتوں کو کوئی
سحر عطا کر
اس سے پہلے کہ ہم انہی اندھیروں کے اندر
گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیں
تو امید کی' آس کی
کوئی کرن دکھا
اے خدا بے شک
تیرے اختیار میں سب کچھ ہے
تو جب چاہے

جو چاہے کر سکتا ہے
بڑے سے بڑے کرشمے دکھا سکتا ہے
وہیں سے کوئی ایسا بادل بھیج
جو برس کر
ساری تشنگی مٹا ڈالے
تمام نا آسودگیوں اور نا امیدیوں کو ختم کر ڈالے
بھیج کہیں سے ایسا بادل

آج کل پھر اس کی وہی کیفیت تھی۔ دن بھر بولائی پھرتی' بلاوجہ سارا شہر گھومتی رہتی۔ یہاں سے وہاں تک خالی خالی نظروں سے ہر ایک چیز کو دیکھتی رہتی' اور جونہی شام ہونے لگتی اس کی بے چینی سوا ہو جاتی۔ اس کا دم گھٹنے سا لگتا۔ دل چاہتا۔ یونہی ادھر ادھر بھٹکتی رہے' مگر گھر نہ جائے۔ وہ ایک ایک چہرے کو تکتی رہتی۔ کیسا اطمینان اور سکون ہوتا تھا' ان چہروں پر' ایک اس کی ذات تھی۔ "یا اللہ میں کیا کروں؟" وہ سوچ کر پھر آگے قدم بڑھانے لگی۔ یہ زندگی میرے لیے بوجھ کیوں بن گئی ہے؟ کیوں ہے اتنا اضطراب میرے اندر؟ کیوں مجھے چین نہیں آتا؟ وہ بہت آہستہ قدموں سے اندر داخل ہوئی۔

"آج پھر اتنی دیر کر دی؟" امینہ خانم نے پوچھا' مگر وہ کچھ کہے بغیر اندر اپنے کمرے میں چلی آئی' اور امینہ خانم سمجھ گئی تھیں کہ اس پر پھر "دورہ" پڑا ہے سو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

اس کا رزلٹ آ گیا تھا' وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ دل سے خوش ہوئی تھی اور امینہ خانم اسے دیکھتی رہ گئی تھیں' کیسے اس کا چہرہ کھل کر گلاب ہو گیا تھا اس سے انہیں رحمہ یاد آ گئی تھی۔ وہ بھی تو ایسے ہی خوش ہوتی تھی' اپنی کامیابیوں پر اور چہرہ ایسے ہی کھل اٹھتا تھا۔ وہ گئے وقتوں میں کھو سی گئیں۔

"کہاں .....؟" موآب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں میری جان! میں تیری خوشیوں پر خوش نہیں ہوں گی تو اور کس کی خوشیوں پر خوش ہوں گی۔ مبارک ہو۔ بہت بہت مبارک ہو۔" انہوں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر چوما۔ وہ سرشاری ہو گئی۔

"اتنا پیار کرتی ہیں مجھے' پھر بھی میری بات نہیں مانتیں۔" موآب نے شکوہ کیا۔

"مانتی ہوں اور مانوں گی بھی بشرطیکہ تم جائز بات کہو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"بات جائز ہی ہے۔ مجھے آگے پڑھنے کی اجازت چاہیے۔"

"اتنا پڑھ کر کیا کرو گی بھلا۔ جتنا پڑھ لیا ہے' کافی نہیں ہے؟"

"نہیں۔ علم کی پیاس تو ساری زندگی نہیں بجھتی۔ میں نے تو ابھی اس کا صرف ذائقہ چکھا ہے۔" وہ بڑے جذب سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "مجھے آپ خوش دیکھنا چاہتی ہیں نا۔ تو یہی میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ پلیز مجھے مت روکیں۔ شاید اسی طرح مجھے راحت نصیب ہو جائے۔"

"اچھا۔ چل ٹھیک ہے۔ جیسی تیری خوشی' ورنہ وہ ملک اقبال نے اس قدر پرکشش آفر دی تھی تجھے ہیروئن بنانے کی۔"

"نانو۔" اس نے ان کی بات کاٹ دی تو وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔ یہ سچ تھا کہ انہیں موآب سے واقعی بہت محبت تھی' اور ہوتی بھی کیوں نہ کہ آخر کو وہ ان کی چہیتی اکلوتی بیٹی کی اولاد جو تھی۔

اس کا ایڈمیشن بی۔ اے آنرز میں ہو گیا تھا۔ کلاسز بھی شروع ہو گئی تھیں' مگر وہ موسم بدلنے کی وجہ سے فلو کا شکار ہو گئی تھی۔ سو کئی دنوں تک یونیورسٹی نہ جا سکی۔ ایک ہفتے بعد وہ بستر سے اٹھی تو امینہ خانم نے منع کر دیا۔

"پاگل ہو گئی ہے۔ اتنی کمزوری میں چل بھی نہ سکو گی۔ کہیں وہیں گر گرا گئی تو؟"

"کچھ نہیں ہو گا مجھے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اتنی نازک بھی نہیں ہوں میں۔" وہ باتھ روم میں گھس گئی' اور جب تیار ہو کر باہر نکلی تو امینہ خانم پرس میں سے کچھ ٹٹول رہی تھیں۔

"یہ لے پکڑ۔" انہوں نے چابی تھمائی۔

"یہ کس چیز کی چابی ہے؟"

"ملک اقبال کو پتا چلا تھا کہ تو نے یونیورسٹی جوائن کر لی ہے۔ سو اس نے تیری سہولت کے لیے یہ حقیر سا تحفہ پیش کیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ان سے کہیے گا۔ بہت بہت شکریہ۔ مجھے فی الحال ایسے تحفوں کی ضرورت نہیں' پھر پوائنٹ بہ آسانی مل جاتا ہے۔ کئی لوگ اسی سے سفر کرتے ہیں۔" وہ چابی تھما کر تیزی سے باہر نکل گئی اور امینہ خانم دیکھتی رہ گئیں۔

یونیورسٹی میں پہلا دن تو اس کا خاصا بور گزرا تھا۔کوئی شناسا چہرہ نہیں تھا۔سارے گروپس کی شکل میں اپنے آپ میں مگن تھے۔وہ پیریڈ لے کر باہر نکلی' تو ایک گھنے درخت کے نیچے آن بیٹھی۔وہ فطرتاً تنہائی پسند ہی تھی۔سو اسے زیادہ دشواری نہیں ہوئی تھی۔کتاب کھول کر جائزہ لے رہی تھی کہ اپنے قریب ہی کسی کو محسوس کر کے نظریں اٹھائیں۔وہ بڑی مہربان مسکراہٹ ہونٹوں پہ لیے اسے تک رہی تھی۔

''ہیلو۔لگتا ہے آج تم پہلی بار یونیورسٹی آئی ہو؟''اس نے دوستانہ انداز میں جواب دیا۔

''ٹھیک سمجھی ہیں آپ' میں واقعی آج ہی آئی ہوں۔''

''میرا نام رافعہ ہے اور تم؟''وہ حسب معمول مسکرا کر بولی تھی۔

''موآب!''

''موآب!''اس نے نام دہرایا۔''خاصا مشکل سا نام ہے۔''رافعہ بولی۔

''اور منفرد بھی۔''اس نے مسکرا کر کہا' تو وہ ہنس پڑی۔

''آؤ وہاں چلیں' ہمارا پورا گروپ ہے۔یقیناً تم ان سے مل کر خوش ہو گی۔''وہ اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہمارے گروپ کے تمام لوگ بہت خوش مزاج اور زندہ دل ہیں۔ہنسی مذاق کرتے رہنا ان کی عادت ہے' اگر وہ تم سے کچھ کہیں تو پلیز مائنڈ مت کرنا۔''رافعہ نے اس سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''اوہو۔رافعہ کیا جنت سے اٹھا لائی ہو انہیں۔''

قدرے دبلے پتلے سے لڑکے نے دیکھتے ہی کہا۔

''مجھے پکڑو یارا میں تو گیا۔''دوسرے نے بے ہوش ہونے کی ناکام ایکٹنگ کی' اور باقی دو جو لڑکیاں تھیں' وہ اسے دلچسپی سے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

رافعہ نے باری باری ان سب سے اس کا تعارف کروایا۔موآب کو ان سب سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی تھی۔اس طرح کے زندہ دل لوگوں سے وہ پہلی بار مل رہی تھی۔ان میں ایک تو رافعہ کا بھائی تھا عامر' جس نے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی تھی۔دوسرا [illegible] تھا۔عامر کا جگری دوست۔یہ دونوں اسکول کے زمانے سے ساتھ ساتھ تھے۔لڑکیوں میں

ایک کا نام نوشینہ اور دوسری کا زیب النساء تھا۔نوشینہ کا تعلق اپر کلاس سے تھا' جبکہ زیب النساء اپنے نام کی طرح ہی قدامت پسند گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔رافعہ کا گھرانا خاصا مشہور تھا' اپنی امارت کے لحاظ سے۔اس کے پاپا شہر کے خاصے بڑے بزنس مین تھے۔موآب کو ان سب کی مالی حیثیت سے ہٹ کر ان کا خلوص اور اپنائیت پسند آئی تھی' اور وہ ان میں مکمل مل بھی گئی تھی۔

✦◈✦

صبح صبح وہ خاصی جلدی میں گھر سے نکلی تھی۔ایک تو آنکھ بہت دیر سے کھلی تھی۔امینہ خانم تو منع کر رہی تھیں کہ مت جاؤ' مگر وہ تیار ہو کر نکل آئی تھی کہ پہلے ہی ایک ہفتہ نہ جانے سے خاصا حرج ہو گیا تھا۔وہ اپنی ہی سوچوں میں گم چلی جا رہی تھی کہ یکدم ایک گاڑی کے بریک اس کے قریب چرچرائے' وہ اچھل کر دور جا گری۔ساری کتابیں سڑک پر بکھر گئیں۔درد سے اس کی سسکی نکل گئی۔اسی دم کوئی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔''سس......سوری......ویری ویری سوری' مگر یقین جانئے میڈیم کہ غلطی میری ہرگز نہیں۔میں نے تو ہارن بھی دیا تھا' مگر آپ نے ہی۔''

''کو......کوئی بات نہیں۔''وہ درد کی شدت سے ہونٹ بھینچ کر بولی۔

''آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔''یہ تو شکر تھا سڑک قدرے سنسان تھی' ورنہ لوگ جمع ہو جاتے۔اظہار بیگ چغتائی نے ایک نظر ادھر ادھر دیکھا۔

''نن......نہیں۔''وہ گھٹنے کے درد کو چھپا گئی۔میرون رنگ کی شلوار تھی' خون کے دھبے محسوس نہیں ہوئے تھے' حالانکہ کس قدر درد ہو رہا تھا۔یہ وہی جانتی تھی۔اس نے سہارا دے کر اٹھانا چاہا' مگر اس نے ہاتھ جھٹک دیا' اور ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔اتنے میں وہ کتابیں اکٹھی کر کے قریب چلا آیا۔

''کہاں جانا ہے آپ کو؟ آیئے میں چھوڑ دوں۔''اس نے بغور اسے دیکھا تھا۔تکلیف کو ضبط کرنے کی کوشش میں چہرہ سرخ ہوا جا رہا تھا۔

''جی نہیں شکریہ۔''اس نے کتابیں لیں اور وہیں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

''میڈم اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ کو کسی کلینک وغیرہ میں لے چلوں۔''

''تو۔ تھینک یو۔'' اس نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

''دیکھئے' میں ایک شریف شخص ہوں' آپ مجھ پر بھروسا کرسکتی ہیں۔ یقیناً آپ......''

''پلیز! میں نے کہا نا مجھے آپ کی کسی طرح کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تھینک یو ویری مچ اور اب آپ جا سکتے ہیں۔'' اس نے قدرے سخت لہجے میں کہا' اور اس کی طرف دیکھے بغیر دوبارہ واپسی کے لیے چل پڑی۔ خاصی دیر ہوگئی تھی۔ یونیورسٹی جانا بیکار ہی تھا' اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ اگر امینہ خانم کا کہنا مان لیتی تو اتنی تکلیف تو اٹھانا نہ پڑتی' اور اب جب وہ اس کا زخم دیکھیں گی تو کتنی پریشان ہوں گی۔ بہت آہستہ روی سے وہ چل رہی تھی' اور اجنبی حیرت سے وہیں کھڑا اس اکھڑ اور بدمزاج لڑکی کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا' جو اس کی اتنی پرخلوص پیش کش کو کیسے غرور سے ٹھکرا گئی تھی۔

''کیا ضرورت تھی بھلا جانے کی۔ منع بھی کیا تھا' مگر تم کسی کی سنتی کب ہو۔'' امینہ خانم نے اس کے زخم کو دیکھ کر پھر خادم کو آواز دی۔ وہ جلدی سے فرسٹ ایڈ باکس اٹھا لایا۔ ''اب پڑی رہنا بستر پر خبردار جو ہلی۔'' امینہ خانم اس کا زخم صاف کرتے ہوئے بولیں۔ وہ مسکرا دی۔

''معمولی سا زخم ہے۔ جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ملک اقبال نے کس قدر محبت سے نئی ہنڈا کار گفٹ کی تھی' مگر مجال ہے جو کوئی چیز تمہارے ناک پر چڑھ جائے۔ اپنی گاڑی ہوتی تو آج یہ حادثہ تو پیش نہ آتا۔'' وہ بولتی رہیں اور وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ خادم دودھ میں ہلدی ڈال کر لے آیا تھا۔ امینہ خانم نے اسے زبردستی پلایا اور کمبل اوڑھا کر باہر نکل گئیں۔ اسے بھی قدرے سکون ملا تھا۔ سو جلد ہی آنکھ لگ گئی۔

✦ ◈ ✖

''کہاں غائب ہوگئی تھیں؟'' رافعہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔''

''کیا؟ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔ ہوا کیسے تھا؟'' کئی سوال ایک ساتھ ہوئے۔

''بس ہوگیا یار! ویسے معمولی ہی تھا' زیادہ چوٹیں نہیں آئیں۔'' وہ قدرے خوشدلی سے مسکرا کر بولی۔ ''اور سناؤ تم لوگوں نے کیا معرکہ مارا ان دنوں میں؟''

''ہمارے معرکوں کی کیا پوچھتی ہو۔ ایک سے ایک جوکر بھرا ہوا ہے یہاں۔ مجال ہے

ایک پل بھی سکون سے بیٹھ جائے۔ ہر لمحہ کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتے رہتے ہیں۔''

اس نے کہا تو موآب مسکرا دی۔

''دوسرے لوگ نظر نہیں آرہے؟''

''نوشینہ تو شاپنگ کے لیے سنگاپور گئی ہوئی ہے' اور زیب کا کچھ پتا نہیں۔ وہ بھی تمہاری طرح کئی دنوں سے غائب ہے۔ عامر لائبریری میں ہے اور سہیل۔ وہ آج کل اپنے اہم فرائض انجام دے رہا ہے۔'' وہ کہہ کر ہنس پڑی۔

''کیا مطلب؟'' موآب حیرت سے بولی۔

''بھئی موصوف سائرہ رحمان کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں ان دنوں' ہر پل اسی کے ساتھ رہتے ہیں۔ بڑا دھواں دار قسم کا عشق فرما رہے ہیں موصوف۔ یونیورسٹی میں ہر طرف آج کل انہی کا ذکر خیر ہے۔'' رافعہ بڑے چٹ پٹے انداز میں قصہ بیان کررہی تھی۔

''یہ سائرہ رحمان کون ہے؟'' موآب نے ساری باتیں سننے کے بعد کہا۔

''ہماری ہی کلاس فیلو ہے۔ خاصی ماڈرن ہے۔ کپڑوں کی طرح بوائے فرینڈ بدلنا شیوہ ہے اس کا۔'' رافعہ ہنس کر بولی۔ ''چھوڑو تم اس بات کو۔ جلدی سے اٹھو کلاس شروع ہونے والی ہے۔'' اس نے بھی گھڑی پر ایک نظر دوڑائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرے ساتھ ذرا اکنامکس ڈیپارٹمنٹ چل رہی ہو؟''

رافعہ بولی۔

''کس لیے؟'' اس نے پوچھا۔

''ذرا کام ہے میرے کزن ہیں۔ ان سے ملنا ہے اور پاپا کا میسج بھی دینا ہے۔'' رافعہ نے کچھ اس قدر لجاجت سے کہا تھا کہ وہ انکار نہ کرسکی اور اس کے ساتھ چل پڑی۔

''ذرا جلدی کرنا۔ مجھے گھر بھی پہنچنا ہے' ورنہ پوائنٹ مس ہو جائے گا۔'' اس نے کہا تو اس نے گردن ہلا دی۔

اکنامکس ڈیپارٹمنٹ پہنچ کر رافعہ کو اپنے کزن کو ڈھونڈنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی کہ وہ پہلے سے ہی اسے دیکھ کر اسی طرف آرہا تھا' اور اب وہ بالکل ان کے قریب آن ٹھہرا تھا۔ وائٹ کلف لگے شلوار کرتے میں خاصا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ موآب نے دیکھا تو قدرے چونک گئی۔

وہ اپنائیت سے مسکرا دیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ اظہار صاحب۔ اتنے دنوں سے شکل کیوں نہیں دکھائی اپنی؟" رافعہ بڑے تکلف سے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

"مصروف تھا۔ تم سناؤ کیسی ہو اور تایا جان کیسے ہیں؟"

اس نے ایک نظر خاموشی سے نظریں جھکائے موآب پر ڈالی اور رافعہ سے پوچھا۔

"ٹھیک ہیں۔ تمہیں یاد کر رہے تھے۔ ماما بھی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔"

"آؤں گا میں شام کو۔ فی الحال تو آؤ کینٹین میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ اس طرح کچھ اچھا نہیں لگ رہا' پھر تمہارے ساتھ مہمان بھی ہے۔" اس نے موآب کو دیکھا' جو ان کی گفتگو میں خود کو خاصا مس فٹ سمجھ رہی تھی اور نظریں جھکائے گھاس کو گھورے جا رہی تھی۔

"ارے سوری بھئی۔ میں تو تعارف کروانا ہی بھول گئی۔" رافعہ شرمندہ سی ہو گئی۔ "ان سے ملئے یہ میری فرینڈ ہیں موآب' اگرچہ خاصا مشکل نام ہے ان کا' مگر یہ خود بہت پیاری اور دلکش شخصیت کی مالک ہیں۔" جس طریقے سے رافعہ نے اس کا تعارف کروایا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا' جبکہ وہ خجل سی ہو گئی تھی۔ نگاہیں اٹھا کر اسے گھورنا چاہا تھا' مگر وہ متوجہ کب تھی۔

"موآب یہ ہیں میرے کزن۔ اظہار بیگ چغتائی۔ بہت بڑے لینڈ لارڈ ہیں بھئی۔ کروڑوں کی جاگیر کے وارث۔ کتابوں سے مغز ماری صرف شوقیہ طور پر کر رہے ہیں' حالانکہ انہیں کون سا کوئی ملازمت کرنی ہے۔"

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" اظہار بیگ چغتائی سر کو ہلکے سے خم دے کر مسکرایا۔ موآب نے دیکھا۔ اس کی نظروں میں شناسائی کا واضح عنصر تھا۔ وہ سر ہلا کر پھر نظریں جھکا گئی۔

"آیئے ایک کپ چائے ہو جائے۔" اس نے کہا تو موآب نے نگاہیں اٹھا کر رافعہ کو دیکھا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔ تب ہی بولی۔

"نہیں پھر کبھی سہی۔ فی الحال تو دیر ہو رہی ہے۔

موآب کو۔"

"ایز یو وش۔" وہ مسکرایا۔

"آپ شام کو آنا مت بھولیے گا۔" اس نے جاتے جاتے پلٹ کر ہدایت کی تو وہ

مسکرایا۔

اس دن پوائنٹ کی بسیں اسٹرائیک پر تھیں۔ اسے چونکہ سر ہاشم کی کلاس ضرور اٹینڈ کرنا تھی' سو جم کر اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ پہلے ہی کافی کلاسز وہ مس کر چکی تھی۔ اگر آج بھی نہ جاتی تو مزید نقصان اسی کا ہونا تھا۔ سڑک قدرے ویران سی نظر آ رہی تھی' دو چار بسیں آئیں بھی' مگر وہ چونکہ اس کے روٹ کی نہیں تھیں اس لیے وہ کھڑی رہی۔ دفعتہً سیاہ گاڑی اس کے قریب آن رکی۔ وہ اسے نظر انداز کر کے سڑک پر نظریں جمائے ہوئی تھی' مگر جب شیشہ اتار کر اسی کو مخاطب کیا تو وہ چونک گئی۔

"پلیز آیئے میں ڈراپ کردوں آپ کو۔" اظہار بیگ چغتائی نے مخلصانہ پیش کش کی۔ وہ چپ رہی تو پھر بولا۔ "پوائنٹ کی بسیں اسٹرائیک پر ہیں' ایسے میں آپ کو مشکل ہی سے کوئی سواری ملے گی۔ پلیز وقت ضائع مت کیجئے۔ میں بھی یونیورسٹی ہی جا رہا ہوں۔ آیئے بیٹھئے۔"

اس نے ایک نظر گھڑی کی طرف دیکھا۔ واقعی وقت بہت گزر گیا تھا' اور اگر مزید ٹھہرتی تو سر ہاشم کی کلاس بھی نکل جاتی۔ اس نے کچھ دیر سوچا' اور پھر کھلے ہوئے فرنٹ ڈور سے سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"آپ کے زخم اب کیسے ہیں۔" وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ وہ نظریں ونڈ اسکرین پر جمائے ہوئے تھا۔ البتہ ہونٹوں پر ایک دلفریب سا تبسم سا تھا' جس کی وجہ وہ نہ جان سکی تھی۔

"زخم بھر جانے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔" اس نے کہہ کر رخ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔

"یہ تو ہے مگر مجھے کئی دنوں تک ملال ہوتا رہا تھا کہ میری وجہ سے کسی کو ناحق زک پہنچا۔" اس نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔

"اس میں آپ کا تو قصور نہیں تھا۔ میری قسمت میں تھا۔ سو زخم لگا' پھر ایسے چھوٹے موٹے زخم تو زندگی میں لگتے رہتے ہیں۔ ان کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔"

"کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں اسی روز سمجھ گیا تھا کہ آپ کتنی بہادر ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا' تو وہ اس کی طرف ایک نظر دیکھ کر رہ گئی۔

ان دنوں چونکہ وہ بہت حد تک مصروف ہو گئی تھی' سو ذہن اِدھر اُدھر کی سوچوں سے قدرے آزاد سا ہو گیا تھا۔ یونیورسٹی سے آ کر اس قدر تھکن ہو جاتی تھی کہ وہ کھانا کھاتے ہی سو

جاتی' پھر اٹھتی تو اسٹڈی میں مصروف ہو جاتی' پھر رقص و موسیقی کی کلاس لیتی۔ سو آج کل اس پر وحشت کے دورے بہت کم پڑے تھے۔ اس قدر تھکن ہو جاتی تھی کہ پھر ذہن کو کسی دوسری طرف سوچنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

اس دن وہ یونیورسٹی سے خاصی دیر سے آئی تھی۔ آتے ہی سو گئی۔ امینہ خانم شاید کہیں گئی ہوئی تھیں۔ وہ گہری نیند میں تھی کہ اچانک شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ جلدی سے بستر سے اٹھی۔ کمرے میں خاصا اندھیرا تھا۔ سو جلدی سے لائٹ آن کر کے باہر نکل آئی۔ سامنے ہی خادم کھڑا تھا۔

''کیا بات ہے خادم۔ یہ کیسا شور تھا؟'' اس نے پریشانی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں جی۔ آپ جا کر آرام کریں۔'' وہ ٹال گیا۔ موآب چلتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ نظریں پھیر گیا۔ اس نے چند ثانیے رک کر آواز کی سمت معلوم کی اور باہر نکل آئی۔ راہداری کے آخری سرے پر بنے ہوئے کمرے سے یہ آوازیں آ رہی تھیں' اور یہ آوازیں رونے چیخنے چلانے کی تھیں' کوئی کسی کو پیٹ رہا تھا۔ وہ کمرہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اس کی نظروں کے سامنے دو لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک قدرے اطمینان سے چپ چپ تھی' مگر دوسری بہت زور زور سے رو رہی تھی۔ امینہ خانم کے کارندے اس کو بری طرح مار پیٹ رہے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کے ان کے ہاتھ روک دیے تو وہ اسے ایک نظر دیکھتے ہوئے باہر نکل گئے۔

''کیا بات ہے؟ کیوں مار رہے تھے وہ تمہیں؟'' وہ اس پر جھک گئی' مگر اس کی سسکیوں میں کمی نہ آئی۔ وہ اس کے رونے سے پوری صورتحال تو سمجھ ہی گئی تھی۔

''کہاں سے لائے ہیں یہ لوگ تمہیں؟'' اس نے پھر پوچھا' مگر وہ اب بھی کچھ نہ بولی البتہ ساتھ ہی بیٹھی دوسری لڑکی ہنس پڑی۔

''کیوں فکر کرتی ہو تم۔ بیچاری نئی ہے نا۔ اس لیے دو چار روز تو واویلا کرے گی ہی' پھر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم تو یہاں کی باسی ہو۔ کیا تم بھی نہیں جانتیں؟'' وہ اس لڑکی کے لب و لہجے پر اسے دیکھتی رہ گئی۔ نہ جانے اس پر چوٹ کی تھی' یا حقائق بیان کیے تھے مگر موآب کے دل میں انی سی کھب گئی تھی' مگر وہ بولی پھر بھی کچھ نہیں تھی۔ چپکے سے اٹھی تھی اور جگ میں سے گلاس میں پانی انڈیل کر اس لڑکی کی طرف بڑھایا تھا۔ جس کی سسکیوں میں

اب قدرے کمی آ گئی تھی' اس نے گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔ لڑکی نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر گلاس پر جھک گئی۔

''اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے تمہارا؟'' وہ سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''میں جی بہاولپور میں رہتی تھی۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد ماما ہی میرا سب کچھ تھا۔ اس نے مجھے اپنے گھر پر رکھا۔ کافی عرصہ میں پرسکون زندگی بسر کرتی رہی' مگر ایک دن جاگیردار ہمارے دروازے پر آ گیا۔ دروازہ میں نے ہی کھولا تھا' اور انہیں اپنے در پر دیکھنے کے بعد حیران رہ گئی تھی۔ وہ بہت گندی اور بھوکی نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں ایک طرف ہٹ گئی اور مامے کو بتا کر خود کمرے میں آ گئی۔

میرا دل بہت ڈر سا گیا تھا' پھر کئی دن تک ماما کچھ چپ چپ اور کھوئے کھوئے سے انداز میں پھرتا رہا۔ میں نے پوچھا بھی تو اس نے نہیں بتایا' پھر مجھے اپنی رشتے کی ماسی سے ہی یہ پتا چلا کہ مامے کو جاگیردار کا بہت سا روپیہ دینا ہے' جو کہ نہ جانے کب مامے نے ان سے بطور قرض لیا تھا' اور اب وہ روپیہ سود کے ساتھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ جاگیردار اب اس قرض کی وصولی چاہتا تھا' مگر مامے کے پاس دینے کو پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ جاگیردار نے مامے کے آگے شرط رکھی تھی کہ وہ اگر قرض واپس نہیں دے سکتے تو مجھے ان کے حوالے کر دے' اور مامے کے پاس چونکہ دوسری کوئی راہ نہیں تھی سو اس نے مجھے اس کے ساتھ کر دیا۔'' وہ یہ کہہ کر پھر رونے لگی۔ موآب چپ کی چپ رہ گئی۔ پھر کیا ہوا ہوگا وہ اچھی طرح جان گئی تھی۔ جاگیردار نے اپنا شوق پورا کرنے کے بعد اسے یہاں فروخت کر دیا تھا۔ اس کا ذہن ماؤف سا ہو گیا تھا۔ کیا اتنی سستی ہے عورت...... اتنی سستی......؟

اس نے ہولے سے اس کا شانہ تھپکا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کوئی علاج نہیں کیا تم نے اس کے زخموں کا۔'' وہ چلنے لگی تھی کہ دوسری لڑکی طنزیہ لہجے میں بولی۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ غالباً وہ بھی آج ہی لائی گئی تھی یہاں پر۔

موآب نے اسے آج سے پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا تھا' مگر اس کا لہجہ جانے کیوں اتنا تلخ تھا۔

''ایک قیدی۔ دوسرے قیدی کی فقط دلجوئی ہی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ میں

بھی تمہاری ہی طرح کی بے بس اور مجبور لڑکی ہوں۔ میرے اختیار میں کچھ نہیں۔"
اس نے دھیرے سے کہا اور باہر نکل آئی' مگر اندر کا درد مزید بڑھ گیا تھا۔

یا اللہ۔ کب ہوگا سویرا؟

کب چھٹے گی یہ سیاہ رات؟

اپنے کمرے میں آ کر وہ بیڈ پر گر سی گئی۔ اسے اس طرح پڑے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ امینہ خانم آ گئیں۔

"ہیلو بے بی! کیا ابھی تک سو رہی ہو؟" کہنے کے ساتھ ہی انہوں نے جھک کر اسے دیکھا۔ وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی۔ "کیا ہوا۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا۔ ڈاکٹر کو فون کروں؟" انہوں نے فکرمندی سے اس کی پیشانی چھوئی۔

"نہیں' ٹھیک ہوں۔ یونہی ذرا لیٹ گئی تھی۔" وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"ماسٹر اللہ دتہ آنے والے ہیں۔ جلدی سے اٹھ کر فریش ہو جاؤ۔ کتنے دنوں سے ریاض بھی نہیں کیا تم نے۔ بھول جاؤ گی سب کچھ۔"

وہ خالی خالی نظروں سے دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی' حالانکہ وہ اس سے اس لڑکی شانو کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی' مگر پھر نہ جانے کیوں نہ پوچھ سکی' جلدی سے باتھ روم میں گھس گئی۔ "اے خدا کیوں لکھ دیے ہیں تو نے ایک کمزور سی عورت کے نصیب میں اتنے ڈھیروں دکھ۔ ایک طرف اس کے قدموں میں جنت رکھی تھی' تو دوسری طرف اسے تاریکیوں میں پھینک دیا' کیوں لکھ دیا تو نے اس کے نصیب میں اندھیرا؟ اسے اتنا معتبر مقام دینے کے بعد بازار کی زینت کیوں بنا ڈالا؟ بتا کیوں؟ آخر کیوں؟ ذہن کی مسلسل آوازوں سے گھبرا کر اس نے شاور کھول دیا تھا۔

✦ ◈ ✖

"کیا ہوا۔ بہت اپ سیٹ لگ رہی ہو۔" رافعہ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ ابھی ابھی کلاس لے کر نکلی تھیں۔ رافعہ کو وہ بہت کھوئی کھوئی سی لگی تھی۔

"نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ اپنی کیفیت صاف چھپا گئی' اور مسکرا کر بولی۔ اس معصوم اور مظلوم سی لڑکی شانو کا واقعہ اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

"اچھا۔ چلو کینٹین پر چلیں۔ سہیل' کامران اور زیب وغیرہ وہیں پر ہیں۔"

اس نے دور سے ہی دیکھا وہ سب گھاس پر بیٹھے چائے اور سموسوں کے ساتھ نہ صرف "انصاف" کر رہے تھے' بلکہ خوش گپیوں میں بھی مصروف تھے' اور انہی کے ساتھ اظہار بیگ چغتائی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بیگ گھاس پر رکھ کر بیٹھ گئیں۔

"بڑے ندیدے ہو تم لوگ' ہمارا انتظار بھی نہیں کیا۔" رافعہ بولی اور ساتھ ہی ایک سموسہ اٹھا لیا۔

"بھئی کتنے دنوں بعد تو کوئی تگڑی اسامی ہاتھ لگی تھی۔ اتنی آسانی سے کیسے چھوڑ دیتے۔" سہیل نے اظہار کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا' اور ساتھ ہی موآب کی طرف پلیٹ بڑھا دی۔ اس نے بھی ایک سموسہ اٹھا لیا۔

کامران نے ان دونوں کے لیے گرم گرم چائے کا آرڈر دیا۔

"کیا بات ہے بھئی۔ یہ آج ہماری موآب بی بی بہت چپ چپ کیوں ہیں؟" سہیل نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے ابھی تک بولنے پر کوئی ٹیکس نہیں لگا' پھر بھی محترمہ نہ جانے کس خوف سے ہونٹ بھینچے رکھتی ہیں۔" عامر نے بھی ساتھ دیا۔ سب ہنس پڑے اور ساتھ ہی وہ مسکرا دی۔

"سیانے کہہ گئے؟ دانا کم تے بیوقوف بہتا گلاں کردا اے۔" نوشینہ نے اپنے مخصوص اسٹائل سے کہا' تو سب ہنس پڑے۔

"تم تو چپ ہی رہا کرو بی بی۔ بول کر بھی دل ہی جلاتی ہو۔" عامر نے کڑھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرادی۔ موآب ان سب کی نوک جھوک دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اور کوئی اسے۔

"بائے وا وے اظہار صاحب! آج آپ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں کیسے نظر آرہے ہیں۔ خیریت تو ہے؟" رافعہ نے مسکرا کر چھیڑا' تو وہ ایک نظر اسے گھور کر مسکرادیا۔

"کہو تو نہ آؤں آئندہ۔" ایک نظر موآب پر ڈالی' جو خاصی الجھی الجھی سی نظر آرہی تھی۔ نہ جانے کیوں؟

"ارے۔ نہیں بھئی۔ جم جم آئیں۔ ہم بھلا کون ہوتے ہیں منع کرنے والے۔" اس نے گرم گرم چائے کا گھونٹ بھر کر کہا۔ اسی دم موآب نے گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کہاں جارہی ہیں بھئی؟" سہیل نے اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔

"لائبریری نوٹس بنانے ہیں۔ رافعہ تم فارغ ہو کر وہاں چلی آنا۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے قدم بڑھادیئے اور اظہار بیگ چغتائی اس کی پشت کو یک ٹک دیکھتا رہ گیا۔

یہ سچ تھا کہ امینہ خانم نے فی الحال اسے ان سب باتوں سے دور رکھا ہوا تھا' جو اس ماحول کا حصہ تھیں' مگر یہ بات بھی طے تھی کہ اسے بھی اسی ماحول کا حصہ بننا تھا۔ تب ہی تو امینہ خانم اس کا اس قدر خیال رکھتی تھیں' مگر چونکہ ابھی وہ بہت چھوٹی تھی' اور ذہنی طور پر اپ سیٹ تھی۔ اس لیے امینہ خانم نے اسے کسی بھی بات کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔ دوسرے وہ ان کی بیٹی کی نشانی بھی تھی۔

اس وسیع وعریض گھر میں اس کے لیے قدرے ہٹ کر پورشن بنا کر دیا تھا' جہاں وہ آزادی اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کررہی تھی' مگر یہ بات طے تھی کہ ایک دن انہیں اسے بھی اپنے "کاروبار" میں "استعمال" کرنا تھا۔ تب ہی تو فن کے اسرار ورموز باقاعدگی سے اسے سکھارہی تھیں۔ وہ اس کی باغی طبیعت سے واقف تھیں۔ اسی لیے ہر بات کو نہایت نرمی سے سمجھاتی تھیں کہ کہیں بھڑک کر چڑیا (سونے کی) ہاتھ سے ہی نہ نکل جائے۔

✦ ◈ ✦

رافعہ کی برتھ ڈے تھی۔ اس نے اسے بطور خاص انوائٹ کیا تھا۔ اس کا موڈ بالکل نہ تھا

مگر اس نے سخت تاکید کی تھی۔ سو مجبوراً جانا پڑا۔ خادم کو بازار بھیج کر اس کے لیے گفٹ بھی منگوالیا تھا۔

آج پہلی بار وہ ذرا اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ میرون شیفون کے فرشی غرارے کے ساتھ سیاہ کامدار کرتی زیب تن کی تھی۔ گھنے سیاہ بالوں کو شانوں پر یونہی چھوڑ دیا تھا۔ کانوں میں آویزے پہن کر اس نے پرفیوم اسپرے کیا' آنچل کو کاندھے پر ٹھیک کرتے ہوئے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ قدرے ہلکے میک اپ میں اس کا چہرہ بہت کھل اٹھا تھا۔

امینہ خانم نے دیکھا تو باقاعدہ نظر اتاری۔

"ہائے کتنی پیاری لگ رہی ہے میری جان!" ساتھ لگا کر چوم ڈالا۔ وہ مسکرادی۔

"مگر جاؤ گی کیسے؟" پھر خود ہی بولیں۔ "ٹھہرو میں خادم سے کہتی ہوں گاڑی نکالے۔"

"نہیں آپ فکرمند نہ ہوں۔ میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی' اور واپسی میں رافعہ خود چھوڑ دے گی۔" اس نے عذر تراشا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ باہر نکلنے کے بعد 'ادھر' کا کوئی حوالہ یا پہچان اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"جلدی آجانا۔ مجھے فکر لگی رہے گی۔" انہوں نے محبت سے کہا۔ وہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

رافعہ کا گھر شہر کے پوش علاقے میں تھا۔ ٹیکسی سے اتر کر اس نے جائزہ لیا۔ شاندار طریقے سے دلہن کی طرح سجا ہوا گھر واقعی آنکھوں کو خیرہ کررہا تھا۔ وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ سامنے ہی رافعہ نظر آگئی۔ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھی۔

"اُف کیا قیامت ڈھارہی ہو۔ نہ جانے کتنے گھائل ہوں گے آج۔" رافعہ نے شرارت سے چھیڑا۔ وہ مسکرادی۔

"شکریہ' سالگرہ مبارک ہو۔"

"تھینک یو۔ آؤ تمہیں میں اپنے ممی ڈیڈی سے ملواؤں۔" وہ اسے لے کر آگے بڑھی۔ وسیع لان میں ہر طرف رنگ ونور کی بارات اتری ہوئی تھی۔ مہنگے ترین پرفیومز اور سگریٹ کی خوشبوؤں نے ایک مسرور کن احساس جگادیا تھا۔

"ڈیڈی۔" وہ ایک سوبر سے شخص کے پاس رکی۔

انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ "شی از مائی بیسٹ فرینڈ۔ موآب خانم۔ اینڈ شی از اے نائس

گرل۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسے قدرے طمانیت کا احساس ہوا۔

''السلام علیکم۔'' موآب بہ مشکل بول پائی تھی۔

رافعہ کے پاپا نے بہت متاثر کیا تھا' پہلی ہی نگاہ میں' کیسی حلیمی اور ایک خاص ٹھہراؤ تھا ان کی طبیعت میں'' بہت ذکر کرتی رہتی ہے رافعہ تمہارا۔'' وہ سر جھکا کر دی۔ اس کے بعد وہ اسے اپنی ممی کے پاس لے گئی' نہ جانے کیوں مڑ کر اس نے ایک نظر رافعہ کے ڈیڈی کو دوبارہ دیکھا تھا۔

''یہ میری ممی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں یہ دیکھنے میں میری ماں نہیں بڑی بہن لگتی ہیں مجھے اس بات سے پورا پورا اتفاق ہے۔'' وہ ہنس کر بتا رہی تھی۔ اس کی ممی نے اسے ساتھ لیا۔

''کیا کرتے ہیں بیٹا آپ کے والد۔'' شاید اپر کلاس میں سب سے زیادہ حیثیت کی ہی ہے' تب ہی شاید انہوں نے پوچھا تھا' مگر موآب گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

''جی۔ وہ۔'' وہ اس اچانک حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ سو کوئی جواب نہ بن پایا۔

''کیا خدانخواستہ!'' رافعہ کی ممی نے اپنے لپ اسٹک سے مزین ہونٹ سکوڑے۔

''جی۔'' اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ان کے مزید سوالوں سے بچنے کا یہی آسان تھا۔

پھر رافعہ اسے بٹھا کر جانے کہاں گم ہو گئی۔ وہ متلاشی نظروں سے چار سو دیکھے آ تو گئی' مگر اب کچھ اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا فوراً اٹھ کر بھاگ جائے کیسے سوالوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ بھلا اس کے والد کون تھے؟ یہ بات تو خود اس کے علم بھی نہیں تھی۔ امینہ خانم سے کئی بار پوچھا تھا اس نے یہ سوال' مگر انہوں نے ہر بار ٹال دیا نہ جانے وہ کہاں تھے۔ زندہ بھی تھے یا کہ......

''ہیلو۔'' اچانک کوئی اس کی سوچوں کے دھارے کو توڑتا ہوا سامنے آن کھڑا ہے۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اظہار بیگ چغتائی بڑے والہانہ انداز میں اس کی طرف تک رہا تھا۔ وہ نظریں پھر جھکا گئی۔

''کیا ہو رہا تھا؟'' وہ کرسی کھینچ کر اس کے عین سامنے بیٹھ گیا۔

''کچھ نہیں۔ یونہی بس بیٹھی ہوئی تھی۔'' وہ کلائی میں موجود بریسلیٹ سے کھیلتے ہوئے بولی۔ جانے کیوں اس کی نظریں بہت ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ نظروں کی تپش سے چہرہ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ خاصی دیر تک دونوں میں مکمل خاموشی رہی۔ وہ سانس روکے بیٹھی رہی۔ نہ جانے کیا کہنا چاہتا ہے۔ بہت دیر کے بعد وہ بولا۔

''کیا تم جانتی ہو کہ......'' ابھی اس نے اپنا جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ عامر آ گیا۔

''آ یئے کیک کٹنے لگا ہے۔'' وہ تیزی سے اٹھی' اور اظہار بیگ کی طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گئی۔ البتہ اس کے دل کے اندر شور سا مچ گیا تھا۔ نہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا وہ۔ دیکھ کیسی نظروں سے رہا تھا۔ اس نے ایک کونے میں کھڑے ہو کر اپنی سانسیں ہموار کیں۔ کیک کٹنے کے بعد ہی اسے زیب اور نوشینہ وغیرہ نظر آ گئیں۔ وہ پلیٹ لے کر ان کی جانب بڑھ گئی' پھر ان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بھی بارہا اسے احساس ہوا کہ وہ خوبصورت آنکھیں اس کے تعاقب میں ہیں۔ کھانا کھاتے ہی اس نے رافعہ کو ڈھونڈا اور اجازت چاہی' مگر اس نے واپس بٹھا دیا۔

''یار ابھی تو پروگرام شروع ہو گا۔ ابھی سے بھاگ رہی ہو۔''

''نہیں رافعہ سمجھو نا۔ بہت دیر ہو جائے گی۔ مجھے تنہا واپس جانا ہے۔'' اس نے عذر کیا۔

''میں چھوڑ آؤں گی۔'' اس نے ایک نہ سنی۔ زیب تو چلی گئی تھی۔ نوشینہ البتہ اس کے ساتھ ہی تھی۔

''سنا ہے بہت بڑے میوزیکل پروگرام کا انعقاد کیا گیا ہے۔ شہر کے بڑے بڑے سنگرز آئیں۔'' نوشینہ بولی تو وہ خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

اسی دم اظہار بیگ چغتائی مائیک تھامے اسٹیج پر آیا۔

''لیڈیز اینڈ جینٹل مین۔ میں کوئی باقاعدہ سنگر تو نہیں ہوں' مگر یاروں دوستوں کا خیال ہے کہ آپ سب کے سامنے اپنے بے سرے قسم کے راگ الاپنے چاہئیں۔ اب دوستوں کی بات ٹال تو نہیں سکتا نا۔ لہٰذا آپ کو ہر حال میں مجھے برداشت کرنا ہے۔'' وہ بہت مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا۔ سب نے تالیاں بجائیں۔ ینگ جنریشن نے خاصے پُرجوش انداز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ پہلی ہی رو میں بیٹھی ہوئی تھی' اور اظہار بیگ چغتائی کی نظروں نے اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میری زندگی کی آج کی شام اس حسین دوست کے نام' جس نے مجھے اچانک ہی بہت نئے اور انوکھے جذبات سے روشناس کروایا ہے۔'' اس نے بہت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ نظریں اس حسین چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ سب نے ایک بار پھر تالیاں پیٹیں اور اس نے اپنا گیت شروع کر دیا۔

میڈا عشق وی توں
میڈا یار وی توں
میرا دین وی توں' ایمان وی توں
میرا جسم وی توں
میری روح وی توں

اس کی بھٹکتی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پر آ کر ٹھہر گئیں۔ وہ نظریں جھکا گئی اس کی بولتی نظروں کا سامنا کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ اس کی سماعت میں اس کی میٹھی میٹھی آواز رس گھول رہی تھی' اور وہ کوئی اتنی بچی بھی نہ تھی جو اس شخص کی نظروں کا مفہوم نہ سمجھتی۔

جانے کب اس کا گیت ختم ہوا تھا۔ اسے تو ہوش تالیوں کی زوردار گونج سے آیا تھا۔ اچانک سر اٹھا کر اسٹیج پر دیکھا تھا۔ وہ گیت ختم کر کے کب کا جا چکا تھا۔ اسے اپنی کیفیت پر خود تعجب ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ اس قدر جذباتی ہو رہی تھی۔ وہ بے قابو ہوا جا رہا تھا' اور اس کی وجہ وہ خود جاننے سے قاصر تھی۔ اسٹیج پر اب ملک کا مایہ ناز گلوکار اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نے سوچے سوچے اچانک گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔ بہت دیر ہو گئی تھی۔ وہ رافعہ کو ادھر اُدھر دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سامنے والی رو میں ہی وہ اسے نظر آ گئی۔ اس نے اجازت چاہی تو۔ وہ اٹھ کر اس کے ساتھ ہی آ گئی۔

''اس وقت تمہارا تنہا جانا مناسب نہیں۔ وقت بہت ہو گیا ہے۔ ٹھہرو میں کسی کو بلاتی ہوں۔'' وہ تیزی سے واپس گئی' اور جب آئی تو تنہا نہیں تھی اس کے ساتھ اظہار بیگ چغتائی بھی تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنیں پھر منتشر سی ہونے لگیں۔

''اظہار اسے چھوڑ آؤ۔'' اس نے کہا' تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔ وہ بوکھلا گئی۔

''پلیز تم بھی چلو۔'' وہ جو اتنی پر اعتماد تھی' اس وقت جانے کیوں بوکھلا سی گئی۔

''کیا بے وقوفی ہے یار! یہ میری کزن ہیں' پھر تمہارے لیے اجنبی تو نہیں۔'' رافعہ زور سے ہنسی تو وہ خجل سی ہو گئی۔

''سمجھو نا یار۔ اتنے گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔ میں انہیں چھوڑ کر جاتی اچھی تو نہ لگوں گی نا۔'' رافعہ پھر بولی تو وہ صرف بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔

''چلیے۔'' وہ جو کافی دیر سے خاموش کھڑا تھا' یکدم بولا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ ایک نظر مسکراتی رافعہ کو دیکھ کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

وہ فرنٹ ڈور کھولے اس کا منتظر تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اس کے پوچھنے پر ہی اپنی رہائش گاہ کا پتا بھی بتایا۔ وہ چاہتی تھی کہ اظہار بیگ چغتائی اس کی ''اصلیت'' دیکھ لے اور اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو بھی روک لے۔ ان جذبوں کو کچل ڈالے جو خود اس کے دل میں بھی چپکے چپکے آنچ دینے لگے تھے' اگرچہ ابھی کچھ لمحوں پہلے اسے ایک خوبصورت احساس ہوا تھا۔

اس کا دل۔

اس کی روح۔

بالکل نئے اور قدرے انوکھے جذبوں سے روشناس ہوا تھا' مگر نہ جانے کیوں وہ ان کے جذبوں کو کچل دینا چاہ رہی تھی' بجائے ان کی آبیاری کرنے کے۔ شاید اس کی وجہ اس کی موجودہ حیثیت و مقام تھا۔

سفر نہایت خاموشی کے ساتھ جاری تھا۔ لگتا تھا ان دونوں کے بیچ فقط خاموشی ہی کا ایک رشتہ تھا۔ یا پھر دونوں اپنی اپنی جگہ' اپنی اپنی سوچوں سے الجھ رہے تھے۔ یا دونوں ہی کہنے کے لیے مناسب لفظ ڈھونڈ رہے تھے' مگر زبان تھی کہ لفظوں کو کسی طرح بھی لبوں پر نہ آنے دے رہی تھی۔ دونوں کی سوچیں البتہ خاصی مختلف تھیں۔ وہ اظہار بیگ چغتائی کو حقیقت کا آئینہ دکھا کر خود سے دور رکھنا چاہ رہی تھی' جبکہ اظہار بیگ چغتائی کے انداز و ادا کسی اور ہی جذبے کی ترجمانی کر رہے تھے۔ اس کے لبوں پر پھیلا ہلکا سا تبسم' آنکھوں میں جلتی چاہتوں کی روشن قندیلیں اپنا آپ منوا لینے کی بھرپور سعی کر رہے تھے۔

ان دونوں کے درمیان قائم خاموشی خاصی بڑھ گئی تھی' تب ہی اظہار بیگ نے ہاتھ بڑھا کر ڈیک آن کر دیا۔ گلوکار کی دلکش آواز چہار سو بکھرنے لگی۔

کچھ نہ کہو کچھ بھی نہ کہو
کیا کہنا ہے کیا سننا ہے
مجھ کو پتا ہے تم کو پتا ہے
سمے کا یہ پل تھم سا گیا ہے
اور اس پل میں کوئی نہیں ہے
بس ایک میں ہوں بس ایک تم ہو
کچھ نہ کہو کچھ بھی نہ کہو

گیت کے بولوں پر اس نے چونک کر اظہار بیگ کی طرف دیکھا تھا' مگر وہ ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے پورے انہماک سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کا انداز کسی "فاتح" کا سا تھا' جو دشمن پر بھرپور وار کرنے کے بعد سرشار سا ہو جاتا ہے' اور بے نیاز بھی۔ اپنی جیت پر نازاں اور اس وقت کچھ ایسا ہی غرور اس کے چہرے پر بھی تھا' مگر وہ یہ نہ سمجھ سکی تھی کہ اسے اظہار بیگ نے جیتا تھا' یا وہ خود ہی پسپا ہو گئی تھی۔ اس کی شاندار پرسنالٹی کے سامنے وہ خود ہی ٹوٹ کر جھک گئی تھی؟ ہار گئی تھی کیا؟ وہ اس بات کو سمجھ ہی نہ سکی تھی۔

اس نے چور نظروں سے دیکھا۔ وہ خاصا بے نیاز دکھائی دے رہا تھا۔ البتہ آنکھوں میں ایک گہری چمک تھی' جسے موآب محسوس نہ کر سکی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی' شاید وہ اس کے ایڈریس سے ہی اس کی "حقیقت" جان گیا ہے' اور تب ہی خاموش ہو گیا ہے۔ اس نے ایک نظر پھر اس پر ڈالی تھی' مگر وہ تب بھی متوجہ نہ ہوا تھا۔ تب وہ مڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی جب اس کے مطلوبہ ایڈریس پر رکی تو وہ خاصی تیزی سے اترنے لگی تھی کہ اس نے کلائی تھام لی۔ اس نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بہت گہری گہری نظروں سے تک رہا تھا اسے۔

"جن بے قراریوں کی لپیٹ میں' میں آیا ہوں۔ ان سے تم بھی واقف ہو کہ نہیں۔" بہت فسوں خیز لہجے میں اس نے کہا تھا۔ موآب نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرا دیا' جیسے اس کی بے وقوفی پر ماتم کر رہا ہو۔

"جانتی ہو' میرا سکون لوٹ لیا ہے تم نے' نیندیں چھین لی ہیں' اس حسین صورت نے میری۔ آرام و سکون تباہ کر کے رکھ دیا ہے میرا۔ بولو ہے کوئی علاج اس کا تمہارے پاس۔" بہت دھیما گمبھیر لہجہ اسے پل پل اپنی گرفت میں لے رہا تھا مگر وہ ڈٹ گئی۔ نہایت تلخی سے ہنسی

اور ایک نظر امینہ خانم کی کوٹھی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"تمہارا علاج صرف امینہ خانم کے پاس ہے۔ اگر آنا چاہو تو ابھی آجاؤ "محفل" جمی ہوئی ہے۔ تم جیسے امراء کے لیے اس کے پاس ایک سے بڑھ کر ایک "نگینہ" ہے۔" اس نے کہنے کے ساتھ ہی اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑایا' اور اس کا جواب سنے بغیر اندر چلی گئی' مگر دل نہ جانے کیوں رونے لگا۔

بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں' جنہیں کرنے کے بعد بعض اوقات بہت دکھ' اضطراب اور درد محسوس ہوتا ہے۔ روح و دل کے اندر اندھیرا سا چھا جاتا ہے' اور اس تاریکی میں ساری دنیا اندھیری معلوم ہوتی ہے۔ موآب نے اسے جھٹک تو دیا تھا' مگر اب دل جانے کیوں بے چینیوں اور بے تابیوں کی گرفت میں آگیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا۔ کسی میکینکی انداز میں۔ اظہار بیگ چغتائی کی نظروں سے نکلنے والی چاہت کی تپش اس کے اندر جذب ہو گئی ہے۔ اس کی تمام تر بے قراری اس کے اندر منتقل ہو گئی ہے' مگر بہت جلد اس نے اپنی سوچوں کو جھٹک ڈالا تھا۔ خود کو بے حد' بے حساب مصروف کر لیا تھا۔ سمسٹر ویسے بھی قریب تھے۔ اس نے ساری باتوں کو فراموش کر کے اپنی تمام تر توجہ صرف کتابوں میں صرف کرنا چاہی تھی' مگر جب بھی کتاب کھول کر بیٹھتی اس میں سے اس کی دو بے حد ذہین اور چاہت سے بھرپور آنکھیں جھانکنے لگتیں۔ گھنگرو باندھے جب ریاض کر رہی ہوتی تو یوں لگتا گھنگھروؤں کی چھن چھن اس شخص کے دل کی صدا بن گئی ہو۔ غرض ہر سر میں سے اسی کی پرچھائیں محسوس ہوتی۔

اس نے کئی دن سے یونیورسٹی کا رخ بھی فقط اسی لیے نہیں کیا تھا' کہ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی' بلکہ سرے سے اس میں ہمت ہی نہیں تھی' اس کے روبرو ٹھہرنے کی' مگر آخر فرار کب تک؟ اسے یونیورسٹی تو جانا ہی تھا' اور پھر نوٹس بھی بنانے تھے۔ سمسٹر ہونے والے تھے سو اس دن جی کڑا کر کے یونیورسٹی آ ہی گئی۔

"بھئی یہ ماہتاب تو کبھی کبھار ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ خیر تو ہے۔" سہیل نے دیکھتے ہی جملہ کسا تھا۔

"راہ بھولے ہیں شاید لوگ۔" عامر نے بھی کسر نہ چھوڑی' جبکہ نوشینہ اور زیب وغیرہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں' اور اس نے ان کی آوازوں پر ذرا بھی کان نہیں دھرے تھے۔ سیدھی لائبریری میں چلی آئی تھی۔ مطلوبہ بک ایشو کروائی اور ٹیبل پر آ بیٹھی۔ فائل کھول کر وہ پورے

انہماک سے لکھنے میں مشغول ہوگئی تھی کہ بھاری قدموں کی آواز پر چونک کے سر اٹھایا' وہ عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔

اس نے ایک نظر دیکھا تھا' اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی' جبکہ وہ بہت اطمینان کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔ اظہار بیگ نے اس کی بے نیازی کو ایک نظر دیکھا تھا۔

تب ہی نگاہ اٹھا کر اس نے دیکھا تھا' بلکہ گھورا تھا' مگر اس پر پھر بھی رتی برابر اثر نہ ہوا تھا۔ وہ گھورے گئی تھی۔

"ظالم نظروں سے تم نہ مجھ کو دیکھو مر جاؤں گا او جان جاناں مر جاؤں گا۔"

نہایت شوخی اور شرارت کے کہنے کے بعد وہ مسکرا دیا تھا' جبکہ اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ بک بند کی تھی' اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی' جبکہ اس نے تیزی کے ساتھ کلائی تھام کر ایک جھٹکے کے ساتھ اسے دوبارہ بٹھا دیا تھا۔

"کہاں تک بھاگو گی۔ کہاں کہاں چھپو گی مجھ سے۔ میں زندگی کے ہر موڑ پر تمہیں تمہارے سامنے ملوں گا۔ مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتیں تم۔ تمہارے تمام راستوں پر میں کھڑا ہوں۔ میں اظہار بیگ چغتائی۔" بولو مجھ سے فرار حاصل کر سکتی ہو؟" بہت یقین اور اعتماد کے ساتھ وہ کہتا ہوا' اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کے جذبوں کی حرارت اس کے لہجے میں صاف محسوس کی جا سکتی تھی' اور نہ جانے کیوں اس لمحے وہ بہت بولڈ سی لڑکی آنکھیں جھکا گئی' اور پھر تیزی سے ہی اٹھی تھی۔ کتابیں سمیٹی تھیں اور باہر نکل گئی تھی۔

✦ ◈ ✦

وہ سب آخری پیپر دے کر فارغ ہوئے تھے اور "نجات" کے بعد مسرت سے وہیں گھاس پر بیٹھ گئے تھے۔ گرم گرم سموسوں اور چائے کا آرڈر دے کر وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اظہار بیگ چغتائی بھی چلا آیا' اور وہ جو بہت اطمینان سے بیٹھی تھی نہ جانے کیوں پزل سی ہو گئی۔ باقی سب اس کے ساتھ ہنسی مذاق میں مصروف تھے' مگر وہ گہری گہری نظروں سے بچنے کے لیے قدرے رخ موڑ کر بیٹھ گئی' اور گھاس کو بلا وجہ نوچنے لگی۔

"ہائے وہ تمہارے افیئر کا کیا ہوا سہیل۔" اچانک نوشینہ نے پوچھا' تو وہ ہنس پڑا۔ "ہونا کیا تھا وہی ہمیشہ کی طرح معاملہ ٹائیں ٹائیں فش۔ بھئی اپنی تو فطرت ہے کہ ایک

جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتے۔ آج یہاں ہیں تو کل وہاں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اور آج کل ثنا انصار کا کیا چکر ہے؟ وہ بیالوجی ڈیپارٹمنٹ والی۔" رافعہ بولی۔

"یار۔ وہ تو خود ہی لٹو ہو گئی ہے مجھ پر۔ سو میں بھی انجوائے کر رہا ہوں ان دنوں۔"

"کتنے کمینے ہوتے ہو تم مرد لوگ۔" نوشینہ نے سموسہ اٹھا کر آدھا نگلتے ہوئے کہا۔

"اوں۔ ہوں۔ صرف مرد ہی نہیں۔ یہ لڑکیاں بھی خود کیوں لائن دیتی ہیں بھلا؟" زیب نے بھی حصہ لیا۔

"جیو بادشاہو۔" عامر نے مردوں کی سائیڈ لینے پر اسے شاباشی دی۔

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے ہماری نوجوان نسل کو۔ تعلیمی اداروں کو کیسی غلیظ اور گھٹیا باتوں کے لیے استعمال کرنے لگے ہیں۔ اب خود بتاؤ افیئرز اور رومانس کے لیے بھلا یہ جگہ مناسب ہے۔ ذرا بھی خیال نہیں انہیں مقدس مقام کی پامالی کا۔" نوشینہ نے کہا۔

"میں بھی تمہاری اس بات سے متفق ہوں۔" کب سے چپ بیٹھی موآب نے بھی حصہ لیا تو اظہار بیگ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ "ڈرامے بازی" اور ڈھونگ رچانے آتے ہیں سب یہاں۔ یہ محبت وحبت سب بکواس ہے۔"

"خیر ایسا بھی نہیں۔ محبت کا تو اپنا ایک وجود ہے۔"

رافعہ نے کہا۔ "ہاں یہ چند لوگ ہیں' جو اسے بدنام کیے ہوئے ہیں۔"

"اظہار بیگ صاحب آپ اس کے متعلق کچھ نہیں کہیں گے۔" نوشینہ نے چپ بیٹھے اظہار کو مخاطب کیا' جو ان سب کی باتیں بہت دلچسپی سے سن رہا تھا۔

"میں اس بارے میں کیا کہوں؟" وہ دھیرے سے موآب کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"ہاں۔ وہ پروین شاکر صاحبہ کچھ یوں فرماتی ہیں کہ۔

عشق لیلائے تمنا کا فسوں
عشق بیداری وحشت کا صحرا
عشق شہروں کا دھواں
عشق صحرا کا غبار
عشق آغوش لحد' عشق جذبوں کا قرار
عشق شعلوں کی خلش' عشق پتھر کا گداز

"عشق اک نغمہ جاں' عشق اک موت کا ساز
عشق پازیب جفا' عشق زنجیر ستم
عشق شیریں کے سلگتے ہوئے خواب
عشق فرہاد کا خوں' قیس کا رقص جنوں
عشق جینے کی ادا' عشق ہر دل کی صدا
عشق کے کوچے میں فرعون گدا"

"واہ......واہ......واہ" چاروں طرف سے شاباشی کے ڈونگرے برسنے لگے۔

"بھئی آپ تو بہت چھپے رستم نکلے۔" نوشینہ نے کہا' تو وہ زور سے ہنس پڑا۔

"تم نے وہ نہیں سنا نوشی ڈیئر کہ مردہ جب بھی بولتا ہے کفن پھاڑ کر بولتا ہے۔" عامر نے کہا تو سب ہنسنے لگے۔

"ویسے عشق کے معاملے میں خاصا گہرا تجربہ ہے آپ کا۔" زیب نے کہا۔

"زیب۔" سہیل نے دل پر ہاتھ رکھا۔ "کہیں آپ بھی میری طرح بیمار عشق تو نہیں۔"

"اللہ نہ کرے جو ان کو آپ جیسی چیپ بیماری لاحق ہو۔" رافعہ نے درمیان میں ہی سے ٹوک دیا۔

"اور خاموش محترمہ تم بھی کچھ بولو بھئی۔" عامر نے اسے دیکھا۔

"میں؟" وہ جو سر جھکائے بیٹھی تھی' اچانک مخاطب کرنے پر چونک سی گئی' پھر سنبھل کر بولی۔

"عشق جنون سہی مگر عشق فقط جنون نہیں
ہوتے ہیں کچھ مطالبے عشق سے آگہی کے بھی مگر"

ٹھہرا ٹھہرا' دھیما دھیما سا لہجہ اظہار بیگ اسے بغور دیکھنے لگا۔

"واہ بھئی واہ۔ یہاں تو سب ہی اس "مضمون" میں پی ایچ ڈی کیے ہوئے ہیں۔" رافعہ نے باقاعدہ تالیاں بجائیں۔ اظہار بیگ زور سے ہنس پڑا اور وہ جانے کیوں نظریں جھکا گئی۔

مجھے دور سے دیکھ کر باہر سے
اک جگمگ شہر سماں ہوں میں

میرا روپ سروپ انوکھا ہے
بس خواب و خیال ہے' دھوکا ہے
میرے اندر پاؤں نہ رکھنا کبھی
میرے اندر گھور اندھیرا ہے

"ہاں میرے اندر گھور اندھیرا ہے۔" اس نے دل ہی دل میں لفظ دہرائے اور کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے بیٹھو بھئی۔ کتنی اچھی محفل جمی ہوئی ہے۔" رافعہ نے کہا۔

"نہیں۔ مجھے جلدی جانا تھا۔ بہت ضروری کام ہے۔" وہ بولی اور فوراً آگے بڑھ گئی۔

سنو میرے دمساز!
تمہیں جو مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے
چلو یہ دعویٰ درست ہی سہی
لیکن صرف اتنا بتا دو ساتھی
کیا تمہاری محبت میں
اتنی طاقت ہے کہ وہ
میری ذات پہ چھائے
اداسیوں کے کڑے خول کو
توڑ پھوڑ سکے؟

رات جب وہ سونے کے لیے لیٹی تھی' تو نظروں میں آپ ہی آپ اس کا مسکراتا ہوا سراپا اتر آیا تھا۔ اپنا آپ منواتا ہوا۔ اس کی شخصیت میں کوئی خاص کشش' کوئی خاص جادوئی کیفیت تھی۔ جو دیکھنے والے پر اپنا گہرا اثر کرتی تھی' اس کی گفتگو' اس کا لب ولہجہ۔ کوئی عام نہ تھا۔ ہر بات میں انفرادیت تھی' پھر دھیمے سے مسکرانا۔

کون سی بات ایسی تھی جو اپیل نہ کرتی ہو۔

اور کون کافر ہوگا' جو اس کے انداز پر پگھلا نہ ہو۔

یا دل کی کیفیت نہ بدلی ہو۔

اس کے انداز میں مقابل کو شکست دینے والی ہر بات موجود تھی' پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ایک کمزور سی لڑکی' جو پہلے سے ہی محبت و توجہ کی متلاشی تھی نہ پگھلتی۔ یہ تو کسی طور پر ممکن ہی نہ تھا۔ اس کے دل میں بھی اسے دیکھ کر ایک ہلچل سی مچ جاتی تھی۔ پلکیں لرزنے لگتی تھیں' اور بالآخر جھک جاتی تھیں۔ بلا شبہ یہ محبت ہی کی کیفیات تھیں مگر......نہ جانے کیوں وہ ''اقرار'' کرنے سے پہلو بچا رہی تھی۔

✦ ◈ ✦

اس کو بھی لگ ہی گئی شہر محبت کی ہوا
وہ بھی الجھا ہے کئی دن سے پریشان بہت

وہ باہر لان میں تنہا بیٹھی کلاس ختم ہونے کا' اور ان سب کے آنے کا انتظار کر رہی تھی' اور شاید سوچوں میں سب کے آنے کا انتظار کر رہی تھی' اور شاید سوچوں میں غلطاں بھی تھی' جب ایک مانوس لب ولہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی' وہ نہایت اطمینان سے اس کے قریب ہی گھاس پر بیٹھ گیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ گھاس نوچنے لگی' حالانکہ اس کی آمد اور مخصوص مہک خاصی ڈسٹرب کر گئی تھی۔

''ہمارے تعلقات میں خاموشی کب تک حائل رہے گی؟ ہم میں خاموشی کا تعلق کب تک قائم رہے گا آخر؟''

اس کی بھاری آواز ابھری' مگر وہ نظریں جھکائے رہی۔

''سنو آخر تم چیز کیا ہو؟ کیا سمجھتی ہو تم خود کو۔'' وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی' پھر نہ جانے کیوں مسکرا دی۔ کسی بپھرے ہوئے شیر کے مانند لگ رہا تھا وہ۔

''جب اتنی خاص چیز نہیں ہوں تو پھر کیوں کر رہے ہو میرا پیچھا' کیوں وقت برباد کر رہے ہو اپنا؟'' عین اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ گویا لاجواب کرنا چاہا تھا' اس نے اسے۔

''اظہار بیگ چغتائی نے عام چیزوں کا انتخاب کبھی بھی نہیں کیا زندگی میں۔'' اس نے بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''میں کوئی چیز نہیں ہوں۔ ایک جیتی جاگتی لڑکی ہوں۔'' اسے جانے کیوں غصہ آ گیا اس کے انداز پر۔ کیسے اپنا آپ باور کرا رہا تھا۔

اپنی حیثیت جتا رہا تھا شاید۔

''او کے! جو بھی ہو مگر اپنی اہمیت اور حیثیت سے واقف بھی ہو۔'' اس نے اسے غصے میں دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ ''تب ہی تو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی ہو۔'' وہ دوبارہ سر جھکا کر گھاس نوچنے لگی۔

''سنو! مجھے اپنی محبت کا یقین دلانے کے لیے کیا دودھ کی نہر نکالنا پڑے گی۔''

موآب نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر خاصی معصومیت تھی۔ بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی' مگر اس نے دانتوں سے ہونٹ دبا لیا۔

''میں شیریں نہیں ہوں۔ لہٰذا آپ کو اتنا تردد کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔''

''شیریں نہیں ہو' مگر اس سے زیادہ کڑی آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے مجھے۔ اتنا تو اس بے چاری نے فرہاد کو بھی تنگ نہیں کیا ہوگا' جتنا تم مجھے کر رہی ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ویسے دودھ کی نہر نکالنا زیادہ آسان ہوگا' بجائے تمہاری بے اعتنائی سہنے کے۔'' پھر تھوڑی دیر رک کر بولا۔

''واقعی دل فتح کرنا دنیا فتح کرنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔

اگر میں دنیا فتح کرنے نکلتا تو آدھی سے زیادہ دنیا پر اپنا جھنڈا گاڑ چکا ہوتا اب تک۔''

''بس یا کچھ اور بھی کہنا ہے آپ کو۔'' موآب نے نہایت اطمینان سے اسے دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا' اور وہ بیگ کاندھے پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ہم چھین لیں گے تم سے یہ شان بے نیازی
تم مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے

پیچھے سے اس کی بھاری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی' مگر اس نے پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔

✦ ✦ ✦

"بے بی! آپ کو خانم بلا رہی ہیں۔" وہ کتاب پر جھکی ہوئی تھی' جب خانم کا وفادار ملازم خادم اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"اچھا تم جاؤ میں آتی ہوں۔" وہ ڈسٹرب کیے جانے پر خاصی جھنجلا گئی تھی' پھر بھی اٹھی۔ بے دلی سے بالوں میں برش پھیرا' اور باہر نکل آئی' مگر جونہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ خانم کے ساتھ ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر قدرے ٹھٹک گئی۔ اس کے قدم وہیں جم گئے۔

"ارے ٹھہر کیوں گئیں میری جان اندر آؤ۔" امینہ خانم نے محبت سے پچکارا۔ وہ چند قدم آگے بڑھ آئی۔

"یہ ہے میری پیاری سی جان موبی اور موبی یہ ہیں' ہمارے ملک کے بہت بڑے صنعت کار ابراہیم ظفر صاحب۔" وہ خاموشی سے دیکھنے لگی تو بولی۔

"سلام کرو بے بی انہیں۔ بھئی میری بے بی ذرا تھکی ہوئی ہے اس لیے۔" وہ ہنستے ہوئے کچھ کہنے والی تھیں کہ وہ جھٹ سے بول پڑی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام!" جواب دینے والے نے بھرپور نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ مو آب کو کھچڑی بالوں والے اس شخص کی یہ "حرکت" خاصی چیپ سی لگی' اور وہ وہاں سے ٹلنے کے متعلق سوچ ہی رہی تھی کہ خانم بولیں۔

"بے بی چائے بنا کر دو انہیں۔"

"جی۔" اس کی آواز میں حیرت کا عنصر خاصا نمایاں تھا۔ خانم نے نظروں ہی نظروں میں اسے تنبیہ کی۔ وہ خاموشی سے بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔

"پڑھتی بھی ہیں آپ۔" بڑے صاحب نے خاصی "جانچتی" نظروں سے دیکھ کر

پوچھا۔

"آپ کو کوئی اعتراض ہے؟" اسے جانے کیوں بے حد غصہ آ رہا تھا۔

"ار...... رے جناب! ہم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں۔" اس کی نظریں ہی نہیں لب ولہجہ بھی اسے حیرت میں مبتلا کر رہے تھے۔ اس نے خانم کی طرف دیکھا تھا' مگر وہ بدستور مسکرا رہی تھیں۔ سرخ رنگ کی بھڑک دار ساڑھی میں ملبوس' پان چباتی ہوئیں۔ فل میک اپ میں۔

اسے خانم خاصی تروتازہ معلوم ہوئیں۔

"اور کیا کیا مشاغل ہیں آپ کے؟" پھر سوال ہوا۔

"آپ جان کر کیا کریں گے؟" اس نے چائے بنا کر آگے بڑھائی۔

"بہت مصروف رہتی ہے بے بی۔ پہلے یونیورسٹی' پھر یوگا کی کلاس' اس کے بعد ماسٹر اللہ دتہ کی زیر تربیت رقص وموسیقی سیکھتی ہے' پھر اپنی اسٹڈی بھی کرتی ہے۔ رات گئے کہیں فارغ ہوتی ہے۔"

"اتنی سی جان پر اتنا ستم۔" ابراہیم ظفر نے کسی ماہر شکاری کی طرح جال پھینکا۔ وہ بس دیکھ کر رہ گئی۔

"ارے میں تو اتنا منع کرتی ہوں' مگر مجال ہے جو کوئی اثر ہو جائے اس پر۔ سارا حسن غارت کر کے رکھ لیا ہے اس نے تو۔ پڑھ پڑھ کر آنکھوں کی چمک کیسی ماند پڑ گئی ہے میری چاند کی۔" خانم کا بدلہ ہوا لہجہ اسے بوکھلائے دے رہا تھا۔ ظفر صاحب خانم کی بات پر زور سے ہنس پڑے تھے۔

"میں جاؤں اب؟" اس نے خانم کی طرف دیکھا' اور ظفر صاحب نے اس کی طرف۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" بے ساختہ ہی ان کے منہ سے نکلا تھا' اور وہ چونک کر رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے نا کہ کسی کی بات ہمیں بہت ناگوار بھی گزرے تو ہمیں اپنا منہ بند رکھنا پڑتا ہے' مگر ایسے میں اندر ہی اندر ابال سا اٹھتا رہتا ہے۔ وہ بھی کچھ ایسی ہی کیفیت میں تھی' تب ہی تو دوسری بار خانم سے اجازت بھی طلب نہ کی تھی' اور تیزی سے باہر نکل آئی تھی۔

"اتنی بھی تمیز باقی نہیں رہی کہ مہمانوں سے کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔" امینہ خانم ظفر

صاحب کے جاتے ہی اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ وہ خاموشی سے کتاب پر جھکی رہی' تب انہوں نے آگے بڑھ کر کتاب جھپٹ لی۔

''تم سے کہہ رہی ہوں میں۔ اتنی بدتمیز کب سے ہو گئی ہو تم؟''

''میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ آخر کیا ضرورت تھی اسے میرے پورشن میں لانے کی۔ آپ کے وہاں کے مخصوص حصے میں موجود ماہتابوں کی ضیا مائند پڑ گئی تھی کیا؟''

اس نے خودسری سے کہا۔ خانم اسے گھور کر رہ گئیں۔

''انہوں نے خود تم سے ملنے کی خواہش کی تھی' پھر ہمارے ہاں یہ بات قابل اعتراض بھی نہیں جو رد ہو جاتی۔''

''آپ جانتی ہیں نا کہ پڑھ رہی ہوں ابھی۔'' اس نے نظریں اٹھا کر بھرپور شکوہ کیا۔

''تو پڑھو میری جان! پوری اجازت ہے تمہیں' مگر اپنے قدم اس حدود سے باہر ہرگز نہ نکالنا' جو ہم نے تمہاری آزادی کے طور پر متعین کی ہیں' ورنہ اس کا انجام کچھ اچھا نہ ہو گا۔'' انہوں نے خاصے دھیمے لہجے میں یہ سخت سی بات کہی تھی۔ ''اور ہاں۔ فرائیڈے کو ان کے ہاں فنکشن ہے۔

انہوں نے تمہیں بطور خاص انوائٹ کیا ہے' اور میرے خیال میں یہ تمہاری خوش قسمتی ہی ہے جو تم پر اتنے بڑے شخص کی نظر کرم ٹھہر گئی ہے۔'' انہوں نے خاصے تفاخر سے کہنے کے ساتھ ہی اسے اپنے ساتھ لگا کر بھینچا بھی تھا' مگر اس کا سانس نہ جانے کیوں دب کر رہ گیا تھا۔ سینے کے اندر کہیں بہت زور سے کچھ ٹوٹا بھی تھا' اور دکھن بھی شدید ترین ہوئی تھی۔

گویا۔ اب میری باری بھی آ گئی۔ امینہ خانم یقیناً اب تم مجھے بھی کیش کراؤ گی۔ کسی بلینک چیک کی طرح۔ اندر ہی اندر درد بڑھتا جا رہا تھا' مگر چارہ گر کوئی نہ تھا۔

✦ ◈ ✖

وہ خاصی غائب دماغی کے ساتھ بس اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ پوائنٹ کب کا نکل گیا تھا۔ پرائیویٹ بسیں بھی جو یونیورسٹی روٹ پر چلتی تھیں' کافی گزر چکی تھیں' مگر وہ اپنی جگہ ساکت اور جامد سی کھڑی تھی۔ بہت دنوں بعد آج اس پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی تھی' جسے امینہ خانم ''دورہ'' کہتی تھیں۔ وہ یونیورسٹی جانا تو نہیں چاہتی تھی' مگر پھر بیگ اٹھا کر اس لیے نکل آئی تھی کہ وہاں رہ کر مزید ڈپریشن بڑھتا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ ایک گاڑی

بالکل اس کے قریب آ رکی۔ ہارن کی آواز پر چونک کر دیکھا تھا۔ کھڑکی میں سے ایک شناسا چہرہ جھانک رہا تھا' اور وہ چہرہ انصار بیگ چغتائی کا تھا۔ رافعہ کے ڈیڈی کا۔

''ارے انکل آپ۔'' وہ بہ مشکل مسکرائی۔

''کہاں جانا ہے؟ آؤ بیٹھو۔'' وہ کھلے ہوئے فرنٹ ڈور سے اندر داخل ہو گئی۔

''یونیورسٹی۔''

''اتنی دیر سے؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ صرف مسکرا دی۔

''اس روز کے بعد آپ آئی ہی نہیں بیٹا۔'' انہوں نے پوچھا تھا' اور موآب حیرت سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اتنی محبت سے چاہت سے' اپنائیت سے کسی نے پہلی بار اسے مخاطب کیا تھا۔ کس قدر چاشنی تھی اس چھوٹے سے جملے میں' اور اس سے کہیں زیادہ چاشنی بولنے والے کے انداز میں تھی۔ کیسا مہربان اور پدرانہ لہجہ تھا۔ اس کی سماعت کے لیے یہ لب ولہجہ قدرے نیا اور انوکھا تھا۔ اس کی روح اندر تک سرشار ہو گئی تھی' اور وہ ایک مسلسل حیران کن کیفیت میں انہیں دیکھے گئی تھی۔

''کچھ غلط بات کہہ دی کیا میں نے؟'' انہوں نے اسے ساکت دیکھ کر پوچھا تھا' اور اس پل اس نے خود کو خاصا احمق تصور کیا تھا اور فوراً سنبھل کر بولی تھی۔

''پلیز' ایک بار پھر وہی جملہ دہرا دیں انکل۔'' اس کا لہجہ ملتجی ہو گیا تھا۔

''کونسا.....؟'' انہوں نے خاصی حیرت سے دیکھا۔

''وہ بیٹا والا۔'' اس نے ان کے سوبر سے بڑھاپے کو دیکھا۔ کیسا وقار تھا ان میں' کسی بھی بناوٹ سے پاک۔ کنپٹیوں کے سفید بال۔ آنکھوں پر گولڈن فریم کا چشمہ۔ وہ بغور دیکھ رہی تھی انہیں۔ وہ اس کی بات پر مسکرا دیے تھے۔

''بیٹا! اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ بھئی آپ میری بیٹی جیسی ہی تو ہیں۔''

''آپ نہیں سمجھیں گے انکل۔'' وہ مسکرا دی۔

میری پیاسی سماعت نے یہ لفظ پہلی بار سنے ہیں دل کی زمین پہلی بار سیراب ہوئی ہے' مگر آپ کیسے سمجھیں گے بھلا۔ وہ دل ہی دل میں کہہ کر رہ گئی۔

''پڑھائی کیسی جا رہی ہے بیٹا؟'' انہوں نے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''اے ون۔'' وہ مسکرائی تھی۔

"کبھی آیئے نا اپنے والدین کو لے کر ہمارے ہاں۔"

انہوں نے پورے خلوص سے دعوت دی تھی' مگر اس کی چمکتی آنکھوں کی جوت بجھ کر رہ گئی تھی۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ معدوم سی ہو گئی تھی۔ یونیورسٹی پہنچ کر جب گاڑی رکی تھی' تو وہ خدا حافظ کہہ کر تیزی سے اتر گئی تھی' مگر سارا دن انہی کا خیال ذہن سے چپکا رہا تھا۔

✦ ◈ ✖

"میرے والدین کون تھے نانو؟" اس دن امینہ خانم خاصے موڈ میں تھیں' جب اس نے اپنے ذہن میں کب سے پلتا ہوا سوال پوچھا۔ وہ خاصی حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"یہ آج تجھے بیٹھے بٹھائے اپنے والد کی یاد کیسے آ گئی؟"

"یونہی۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ انہیں دیکھوں' محسوس کروں۔" وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔ "نانو میرے ابو زندہ تو ہیں نا؟" اس کا انداز سوالیہ تھا۔ اس میں ایک آس بھی تھی مگر امینہ خانم کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"مر گیا وہ دغا باز' دھوکے باز' مت نام لینا دوبارہ کبھی اس کا' تیری ماں کا قاتل ہے وہ۔ اپنی شناخت تک نہ دی اس نے تجھے اور تو مری جا رہی ہے اس کے لیے۔" ان کا لہجہ انتہائی کڑوا تھا۔ وہ حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔

"پہلے تیری ماں کو محبت کے جال میں پھانسا۔ اسے عزت دار بنانے کے خواب دکھا کر ورغلایا۔ شادی کا وعدہ تک کر لیا۔ تاریخ بھی ٹھہرا دی۔ ہمارے ہاں کبھی کسی کا ڈولا نہیں اٹھا مگر میں اپنی بیٹی کی محبت میں یہ کڑوا گھونٹ بھی پی گئی۔ میں اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ سو مان گئی مگر وہ عین وقت پر اسے دھوکا دے گیا۔ وہ دلہن بنی بیٹھی رہ گئی' مگر وہ پلٹ کر واپس نہ لوٹا۔ تیری ماں اس وقت کیسے غم سے دوچار ہوئی تھی۔ کئی دن تک اس کی حالت غیر رہی تھی۔ نہ کچھ بولتی تھی نہ کھاتی پیتی تھی۔ تیری پیدائش تک اس کی یہی حالت رہی تھی' اور پھر وہ تمام دکھوں سے نجات پا گئی تھی' ہمیشہ کے لیے۔ تجھے میری جھولی میں ڈال کر ہمیشہ کی پرسکون نیند سو گئی تھی وہ۔" ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ "ظالم تھا وہ شخص۔ مت ذکر کیا کر اس کا میرے سامنے۔ سنا تو نے' دوبارہ نام بھی مت لینا اس کا۔" انہوں نے چیخ کر کہا اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔

✦ ◈ ✖

انسان سب کچھ کر سکتا ہے' مگر اپنی تقدیر سے نہیں لڑ سکتا۔ یہ بات اس نے سوچی تھی' اور بغور مطالعے کے بعد اخذ کی تھی۔ بندہ کچھ بھی کر لے' کتنے ہی جتن کر ڈالے' مگر اس کی تقدیر اسے پٹخ پٹخ کر مارتی ہے۔ یہی سوچ کر اس نے سب باتوں کو' سوچوں کو فراموش کر دیا تھا' اور پھر سے اسی "مقام" پر خود کو "فٹ" کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ بات الگ تھی کہ اس کوشش میں اس کو اپنا دل اور روح اپنے ہاتھوں مارنا پڑ رہا تھا۔

امینہ خانم کے "نگار خانے" پہلے سے کہیں زیادہ روشن ہو گئے تھے' اس وجہ سے وہ آج کل بہت خوش تھیں۔

ان دنوں ایک بہت بڑا تاجر شانو کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا تھا' اور یہ بات خانم کے لیے بے حد مسرت بخش تھی۔ ان پر تو کسی خزانے کے دروازے کھل گئے تھے۔ تاجر اندھا دھند روپیہ پیسہ لٹا رہا تھا اس نگینے پر' جسے خانم کے ماہر ہاتھوں نے تراش خراش کر "قیامت" بنا ڈالا تھا۔

موآب نے اسے دیکھا تو خاصی حیرت ہوئی تھی۔ پہلے دن وہ جتنا واویلا مچا رہی تھی' اس سے لگتا نہیں تھا کہ وہ اس ماحول میں ایڈجسٹ ہو جائے گی' مگر اب اسے خوش اور مطمئن دیکھ کر وہ محو حیرت رہ گئی تھی۔ اس دن وہ یونیورسٹی سے لوٹ رہی تھی' جب وہ ریڈ جارجٹ کی بغیر آستین کی ساڑی میں' فل میک اپ کے ساتھ اس تاجر کے ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھی کر کہیں جا رہی تھی۔ وہ پہلے دیکھ کر تو پہچان ہی نہ سکی تھی' پھر خادم سے تصدیق کی تھی اور کتنے ہی پل وہ سوچتی رہی تھی کوئی اتنی جلد بھی سمجھوتا کر سکتا ہے؟ ایک میں ہوں۔ اسی ماحول کی پروردہ ہونے کے باوجود اسے اب تک قبول نہیں کر سکی ہوں۔ تب ہی تو زندگی بوجھ بن کر رہ گئی ہے میرے لیے۔ جو لوگ اپنے حالات سے' ماحول سے جلد سمجھوتا کر لیتے ہیں وہ لوگ خوش بھی رہتے ہیں اور مطمئن بھی' مگر میں نہ جانے کیوں ایسا نہیں کر سکتی۔ شاید یہ بھی میری بدقسمتی ہے۔

رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے طبیعت قدرے بوجھل سی تھی۔ وہ کسلمندی سے بستر پر پڑی رہی۔ خادم آیا اور دودھ کا گلاس رکھ کر چلا گیا' مگر اس نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ بہت دیر تک یونہی پڑی رہی تو خانم خود ہی اسے اٹھانے آ گئیں۔

"اتنی سستی اچھی نہیں ہوتی۔ مت سوتی رہا کر اتنی دیر تک۔" اس دن کے بعد سے اس نے ان سے بات تک نہیں کی تھی' مگر وہ خود ہی گاہے بگاہے بلاتی رہتی تھیں۔ کبھی کسی بہانے

سے تو کبھی کسی بہانے سے۔شاید وہ اپنے اس دن کے سخت الفاظ پر شرمندہ تھیں' مگر موآب نے بھی زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔بس خاموشی سے ہر کام کیے جاتی تھی۔

"ناراض ہے مجھ سے میری جان!" انہوں نے اسے چپ دیکھ کر لگاوٹ سے پوچھا۔

وہ چپ رہی البتہ پلکوں سے جانے کیوں ایک قطرہ ٹوٹ کر رخسار پر بہہ گیا۔

"کیوں سوچ سوچ کر جان جلاتی ہے اپنی بھی اور میری بھی۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ لیا' اور اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔"تو الٹے الٹے سوال کرتی ہے تو مجھے بھی غصہ آتا ہے' پھر تو ایسی باتیں نہ کیا کر۔" وہ خاموشی کے ساتھ آنسو بہاتی رہی۔"مت رو۔جانتی ہے تیرے آنسو میری جان نکال دیتے ہیں۔اتنی سی تھی' جب سے پالا ہے تجھے۔تیری ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتی میں۔ماں بن کر جو پرورش کی ہے تیری۔" ان کی آواز بھی بھرا گئی۔

ماں بن کر پالا ہے تب ہی مجھے اس "بھاڑ" میں جھونکنا چاہتی ہیں۔وہ بولنا چاہتی تھی' مگر لفظ اندر ہی کہیں گھٹ کر رہ گئے۔

"چل اٹھ' نہا دھو کر فریش ہو جا پھر مل کر ناشتہ کرتے ہیں دونوں۔" انہوں نے مسکرا کر اس کے بال بکھیرے' تو وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

شام کی چائے وہ لان میں بیٹھی پی رہی تھی' جب اچانک ہی کہیں سے ابراہیم ظفر چلے آئے۔

ہیلو سوئٹ گرل۔کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے اپنی قیمتی گاڑی کی' کی چین گھماتے ہوئے پوچھا۔اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا' مگر چپ بیٹھی رہی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا تھا' اور اجازت ملنے سے پہلے ہی کرسی پر ٹک گئے تھے۔وہ گھور کر رہ گئی تھی۔

"اس روز ہماری دعوت میں تو آپ آئی ہی نہیں؟"

انہوں نے اس کا بھرپور "جائزہ" لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایسی دعوتوں میں جانا پسند نہیں کرتی۔" اس نے کڑوے لہجے میں جواب دیا۔

"چلیے۔آپ نہیں آتیں تو ہم چلے آئے ہیں۔مقصد تو آپ سے ملنا ہی ٹھہرا نا۔سو ل لیے۔" انہوں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔موآب کے چہرے کا رنگ بدل گیا

تھا۔قریب تھا کہ وہ کوئی سخت بات کہتی کہ تب ہی وہ جلدی سے بولا تھا۔

"پلیز ہمیں بھی ایک کپ چائے پلا دیں اپنے ہاتھوں سے۔"

"اپنا شوق اپنے ہاتھوں سے پورا کیجئے۔مجھے ضروری کام ہے۔" وہ کہہ کر تیزی سے اٹھی تھی' اور اپنے قدم اندر کی جانب بڑھا دیے تھے۔

✦ ◈ ✖

پیریڈ لینے کے بعد وہ انہی کی طرف آ گئی تھی۔وہ گروپ کی شکل میں بیٹھے ہمیشہ کی طرح خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"اوہو۔بھئی پڑھا کو لوگ آ گئے ہیں۔ذرا جگہ چھوڑ دو۔" عامر نے دیکھتے ہی فقرہ کسا۔

"تم لوگوں کو تو ذرا فکر نہیں۔ایگزم سر پر ہیں' اور اب بھی بیٹھے وقت گنوا رہے ہو۔" اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور دھڑام سے بیٹھ گئی۔

"بھئی اپنے حصے کی فکر بھی ہم نے آپ کو سونپ دی ہے۔" سہیل نے کہا۔"ویسے بائے داوے ہم وقت گنوا نہیں رہے انجوائے کر رہے ہیں۔بھلا یہ حسین دن پھر لوٹ کر کب آئیں گے؟ جتنا لطف اٹھائیں کم ہے۔"

"ہاں وہ احمد فراز صاحب بھی شاید اسی موقعے کے لیے کہہ گئے ہیں۔

کل کے اندیشوں سے اپنے دل کو آزردہ نہ کر

دیکھ یہ ہنستا ہوا موسم' یہ خوشبو کا سفر"

"بھئی کل جو ہو گا وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔" نوشینہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہاں تو ڈیئر کزن آپ کیا سنا رہے تھے۔" عامر نے اظہار بیگ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ موآب کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

سننے والے پہ منحصر ہے عدم

خامشی میں بھی صدا ہوتی ہے

"ارے وہی غزل سناؤ نا یار جو پہلے سنا رہے تھے۔"

رافعہ نے بے تکلفی سے کہا' پھر مڑ کر اس سے بولی۔

"موآب یار کیا کمال کی چیز ہے۔تم بھی سنو اور داد دو میرے کزن کو۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

اظہار بیگ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر گویا ہوا۔

"سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے دن کو اسے تتلیاں ستاتی ہیں
سنا ہے رات کو جگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
سنا ہے ان کو ہرن دشت بھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے لبوں سے گلاب جلتے ہیں
سو ہم بہار پہ الزام دھر کے دیکھتے ہیں"

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اظہار بیگ سرعام اس سے اظہار الفت کر رہا ہو۔ وہ سر جھکا کر گھاس نوچنے لگی تھی کہ اس کی تپش سے بھرپور نظریں اس کے صبیح چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔

"سنا ہے اس کی شبستان سے متصل ہے بہشت
مکین ادھر کے بھی جلوے ادھر کے دیکھتے ہیں"

اس کی حالت بہت عجیب سی ہو رہی تھی۔ لگ رہا تھا۔ سب پر یہ راز فاش ہو گیا ہو۔ گویا کوئی معیوب بات نہیں تھی اور جس ماحول میں وہ رہ رہی تھی وہاں تو بالکل بھی نہیں تھی مگر جانے کیوں وہ بہت عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔

"رکے تو گردشیں اس کا طواف کرتی ہیں
چلے تو زمانے ٹھہر کر دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں"

"واہ بھئی واہ۔ کیا بات ہے۔" سہیل نے بھرپور داد دی۔

"ان کا شعری ذوق بہت عمدہ ہے۔" زیب نے ہولے سے کہا۔

"اور خود ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" عامر شوخی سے بولا تھا۔ زیب خجل سی ہو گئی تھی اور سب زور سے ہنس پڑے تھے۔

اسی دم ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی اور سب اس موسم کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرنے لگے۔ گرم پکوڑوں کے ساتھ چائے نوش کی گئی قہقہوں اور خوش گپیوں کے درمیان۔ لان میں چاروں طرف گروپوں کی شکل میں جمع لوگ اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے۔ بارش میں قدرے تیزی آ گئی تھی اور کپڑے بھی خاصے بھیگ گئے تھے۔ تب ہی وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ موآب نے بیگ کندھے پر ڈال کر دوپٹہ سلیقے سے اوڑھا اور ایک نظر رسٹ واچ پر ڈالی۔ پوائنٹ تو یقیناً مس ہو گیا تھا۔ اب تو کسی دوسری سواری ہی میں جانا تھا اور دو دو بسیں بدلنا اس کے لیے خاصا محال تھا مگر پھر بھی ان سب کو خدا حافظ کہہ کر نکل پڑی تھی۔ بارش لحہ بہ لحہ تیز ہو رہی تھی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ اسے اسٹاپ پر کھڑے خاصی دیر بیت گئی تھی مگر کوئی سواری مل نہیں رہی تھی اور اب وہ اس موسم کو کوس رہی تھی جو اچانک ہی کہیں سے نمودار ہو گیا تھا ورنہ صبح جب نکلی تھی تو اچھی خاصی دھوپ تھی اور گمان تک نہ تھا کہ ہلکی سی بوندا باندی بھی ہو گی اور اب چھاجوں ٹوٹ کر برس رہا تھا۔ وہ ایک درخت کے گھنے سائے تلے پناہ لیے ہوئے تھی۔ ایک دو لوگ اور بھی اس کے اردگرد موجود تھے مگر ان میں کوئی "مونث" نہ تھی۔ بجلی ایک کڑاکے سے چمکی تھی اور اس کی روح اندر تک کانپ گئی تھی۔ بے پناہ ڈر اور خوف نے اس کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ وہ کسی پتے کے مانند کانپنے لگی تھی۔ ایسی صورتحال سے پہلی بار اس کا سامنا ہوا تھا۔ شاید تب ہی اس کی یہ حالت تھی۔ اچانک ایک بائیک اس کے پاس آ کر رکی تھی۔ اس پر سوار دو منچلوں نے بڑے خلوص کے ساتھ اسے بیٹھنے کی آفر کی تھی۔ وہ کوئی جواب دیے بغیر سڑک کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اسٹاپ اب بالکل سنسان ہو چکا تھا۔

"ارے آوارانی۔ کب تک یونہی بھیگتی رہو گی۔"

ایک لفنگے نے کمینگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہو بھئی کہیں بیمار پڑ گئیں تو...... کیوں ظلم کر رہی ہو اس حسین سراپا پر۔" دوسرے نے اس کا بازو تھاما۔

"شٹ اپ۔" اس نے بڑی ہمت کے ساتھ ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ وہ کسی [illegible]ے ہوئے شیر کے مانند اسے دیکھنے لگا۔ وہ بھی خوفزدہ ہو گئی تھی کہ تب ہی سیاہ گاڑی ایک [illegible]ے اس کے قریب آن رکی۔ فرنٹ ڈور کھول کر اظہار بیگ چغتائی تیزی سے باہر نکلا

تھا۔ صورتحال سمجھنے میں اسے دیر نہیں لگی تھی۔ تب ہی اس نے بغیر کچھ کہے۔ ان پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ حیرت سے اس مہارت سے اپنے داؤ پیچ ان پر آزما رہا تھا' اور کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں زمین پر ڈھیر ہو چکے تھے۔ شرٹ کے کف ٹھیک کرتا ہوا وہ واپس مڑا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' بغیر دیکھے وہ اس سے بولا تھا۔

اس کی آواز میں' لہجے میں نہ جانے کیسا تحکم تھا کہ وہ خاموشی سے آگے بڑھ آئی' اور کھلے فرنٹ ڈور سے سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دل بہت عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل جو اسٹریٹ فائٹ اس نے دیکھی تھی' وہ اس کے لیے خاصی حیرت کا باعث تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اتنا اچھا فائٹر بھی ہو سکتا ہے' اور پھر یہ بات قابل غور تھی کہ کیا وہ واقعی اس کے لیے اتنی اہم ہے کہ وہ بے خوف و خطر اس کے لیے لڑ گیا' اور دو آدمیوں کو پل میں ڈھیر کر ڈالا۔

یہاں پر آ کر اس کی سوچ یکدم ٹھہر سی گئی تھی' کہ کہیں وہ دونوں لڑ کے خدانخواستہ...... اور یہ سوچ کر اسے پسینہ آ گیا تھا۔ اگر اس کی وجہ سے اظہار بیگ چغتائی پر کوئی آفت آ گئی تو...... اس نے یہی سوچ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ خاصی سنجیدگی کے ساتھ ڈرائیونگ میں معروف تھا۔ ونڈ اسکرین پر وائپر تیزی کے ساتھ چل رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اسے کیا کہے۔ بس دیکھے گئی تھی' خالی خالی نظروں سے۔

''اب بس بھی کرو۔ کیا نظر لگا کر چھوڑو گی۔'' اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔ لبوں پر ہلکا سا تبسم بھی تھا۔ وہ خجل سی ہو گئی' اور فوراً کھڑکی کی طرف رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ بارش اب بھی جاری تھی۔ بادل ٹوٹ کر برس رہے تھے اور گاڑی کے اندر اس شخص کی قربت نے اس کے اندر ہلچل مچا رکھی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں' حالانکہ دونوں کے درمیان مکمل خاموشی تھی' مگر یہ وہ وقت تھا' جب بغیر کہے' جذبے بولتے ہیں۔ چپ کی زبان میں ہی لاکھوں باتیں ہو جاتی ہیں اور اس وقت جو جذبے اس کے اندر سر ابھار رہے تھے' اس نے انہیں دبانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چاہ رہا تھا کہ آج تمام راز فاش ہو جائیں' دلوں کی باتیں کھل کر سامنے آ جائیں جو چاہت کئی عرصے سے اندر ہی اندر پل رہی تھی وہ آشکار ہو جائے' مگر لبوں پر جیسے قفل سے پڑ گئے تھے۔ کچھ بھی نہ بول سکی تھی' بلکہ جب عمل کیا تھا تو ڈھیروں شرمندگی بھی ہو رہی تھی' کہ وہ کتنے عرصے سے ایک شخص کی محبتوں کو پاؤں تلے روندتی آئی تھی' اور آج وہی شخص اس کے لیے جان پر کھیل گیا تھا۔ گاڑی ایک

سے رکی تھی' اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کی قیام گاہ آ گئی ہے۔'' اس نے کہا تھا' مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی نہیں تھی۔ ایک نظر اس بھرپور شخص کو دیکھا تھا' اور پھر نظریں جھکا گئی تھی۔ کتنے ہی لفظ تھے' مگر حلق تک آتے آتے دم توڑ گئے تھے۔ ایک دیوار آڑے آ گئی تھی۔ وہ بے بس سے ہونٹ کچلتی ہوئی اترنے لگی تھی کہ اس نے کلائی تھام لی۔

''ہمیں ایک دوسرے سے کچھ کہنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ جو کہنا' جو سننا ہے۔ وہ ہم دونوں ہی جانتے ہیں۔''

اس کے لہجے میں جذبوں کی حرارت تھی' اور اس کا نازک سا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں میں تھا۔

''کیا میں نے غلط کہا ہے؟'' اس نے تصدیق کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا' اور ان جھیل سی گہری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر سرشار سا ہو گیا تھا۔ البتہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سر جھکا لیا تھا' اور پھر سہولت سے اپنا ہاتھ چھڑا کر تیزی کے ساتھ اندر بڑھ گئی تھی' اور وہ زور سے ہنس پڑا تھا۔

اسے ایک شخص کی چاہت کیا ملی تھی۔ لگتا تھا سارے جہاں کی دولت اس کے دامن میں آ گئی ہو۔ دل چاہتا تھا روئی کے گالوں کے مانند آسماں پر اڑتی چلی جائے۔ خوشی کا اور سرشاری کا اظہار اس کے انگ انگ سے چھلک رہا تھا۔ پہلے جہاں وہ چپ چپ اور کھوئی کھوئی رہتی تھی' تو اب چہار سو اس کے نقرئی قہقہے جلترنگ بکھیرتے رہتے تھے۔ ایک دلکشی سی اتر آئی تھی اس کے چہرے پر۔ حسین وہ پہلے بھی کم نہ تھی' مگر اب تو اس کا حسن دوبالا ہو گیا تھا۔ نظر چہرے پر ٹکتی ہی نہ تھی۔ اس نے خود اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تھا' اور حیران رہ گئی تھی۔ کیا صرف ایک شخص کی محبت میں اتنی طاقت ہے کہ اس نے یکسر بدل کر رکھ دیا ہے مجھے۔ اس کا خیال کیا آتا چہرہ گلنار ہو جاتا۔

دھڑکنیں اسی کے نام کی مالا جپنے لگتیں' اور وہ اپنی کیفیتوں پر آپ حیران رہ جاتی۔

اور حیران تو امینہ خانم بھی ہوئی تھیں اسے دیکھ کر۔ ان دنوں وہ انہیں خاصی بدلی بدلی محسوس ہوئی تھی۔ وہ جہاں دیدہ عورت تھیں۔ انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے' مگر فی الحال انہوں نے اس سے کچھ بھی پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

✦◈✖

سمسٹر ہو رہے تھے سو کئی دن تک اس کا سامنا نہ ہو سکا تھا۔ موآب اس کی کمی شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ کئی دنوں تک وہ نظر ہی نہیں آیا تھا' ورنہ تقریباً روز ہی وہ ان کے ڈیپارٹمنٹ کا چکر لگاتا تھا۔ وہ آخری پرچہ دے کر یہ سوچتی ہوئی باہر نکلی تھی کہ رافعہ سے پوچھے گی۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ وہ سامنے سے چلا آیا۔ اس نے دیکھا' اور بہت بے قراری سے آگے بڑھی۔

"کہاں تھے آپ اتنے دنوں سے۔ نظر کیوں نہیں آئے۔ کیسے ہیں اب؟"

اس کے کئی سوالوں پر وہ یکدم مسکرا دیا تھا۔

محبت میں تو نگر ہو رہا ہوں
میں قطرہ تھا سمندر ہو رہا ہوں
ہر اک خانے میں تیرے بت سجے ہیں
کسی دیوی کا مندر ہو رہا ہوں

"کبھی سیریس بھی ہوں گے آپ۔ کتنی پریشان رہی تھی میں۔"

"اف۔ کیا کہا ذرا پھر سے کہنا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔" اس نے شرارت سے چھیڑا۔ وہ دانت بھینچ کر رہ گئی۔ "میری بے قراریوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔"

"نہیں سرشار ہو رہا ہوں۔" اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "تمہیں نہیں معلوم تمہاری یہ بے قراری دیکھ کر میرے دل کو کتنا قرار ملا ہے۔ کتنا دلکش ہوتا ہے نا یہ احساس کہ کوئی شخص آپ کو اتنی اہمیت دے۔ مس کرے۔" اس نے دھیمے اور گمبھیر لہجے میں کہا' پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"تم نے مجھے یاد کیا تھا؟"

ہاں۔ ایک یہی تو کام تھا میرے پاس۔ پاگل کر دیا ہے تم نے مجھے اظہار بیگ۔ اس نے دل میں کہا۔ چہرے کا رخ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی' اور وہ جانے کیا سمجھا تھا کہ تب ہی دھیرے سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

"یہ آخری سال تھا میرا یونیورسٹی میں۔ اب میں اپنی پریکٹیکل لائف اسٹارٹ کروں گا۔ پہلے تو بہت بے فکری تھی' مگر اب مجھے بہت جی لگا کر کام کرنا پڑے گا۔ گھر میں بابا جان

کے بعد میں ہی سب سے بڑا ہوں' اور اس طرح ان کے بعد ساری ذمے داری بھی میری ہی ہے' اگرچہ میری تعلیم کے دوران تایا جان نے یہ فرائض انجام دیے' مگر اب یہ سب میری ذمے داری ہے۔ مالی طور پر تو مجھے کوئی پریشانی نہیں' البتہ ان مالی بکھیڑوں کو سنبھالنا میرے لیے ضرور مشکل ہوگا۔ سوچ رہا ہوں تمام زمینیں وغیرہ بیچ کر کہیں کاروبار اسٹارٹ کروں۔"

وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی' ان باتوں کا مقصد کیا ہے۔ تب ہی وہ بولا تھا۔

"اس دوران شاید میں بہت زیادہ مصروف رہوں' اور شاید تم سے مل بھی نہ پاؤں تو پلیز تم کوئی غلط بات مت اخذ کر لینا۔ تمہاری محبت ہر دم میرے دل میں آباد رہے گی۔ چاہے میں کہیں بھی رہوں۔ ان آنکھوں میں فقط تمہارا ہی عکس ہوگا۔" اس کے لہجے میں محبت کی شدت تھی۔ اس نے محسوس کر کے نظریں جھکا لیں۔

"میں شاید کل ہی زمینوں پر چلا جاؤں۔ واپسی میں کچھ دن لگ جائیں گے۔ تم پریشان مت ہونا۔" اس نے اس کی کانچ سی آنکھوں میں دیکھ کر کہا' جن کی جوت اچانک ہی بجھ کر رہ گئی تھی۔ چہرہ اداس سا ہو گیا۔

"اندازاً کتنے دن لگیں گے؟"

اس نے بہت بے قراری سے پوچھا۔

"بھئی جلد آنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال تو کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

اظہار بیگ نے مسکرا کر کہا۔ تب بھی اس کے چہرے پر چھائی اداسی نہ چھٹی اور تب اظہار بیگ نے اس کے چہرے پر قدرے شرارت سے جھک کر کہا۔

اس قدر ٹوٹ کر نہ چاہ مجھے
بھول جائے گی اپنی راہ مجھے

اس کے لہجے کی شوخی پر وہ مسکرا دی۔

"گڈ۔ یہ ہوئی نا اچھی لڑکیوں والی بات۔"

اس نے کہتے ہوئے موآب کی مخروطی انگلیوں کو ایک نظر دیکھا' اور پھر کلائی کو تھام کر بولا۔

"سنو۔ تمہاری یہ سونی کلائیاں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ ان میں کچھ پہن لو۔ مجھے لڑکیوں

کے ہاتھوں میں کھنکتی چوڑیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"آؤ میرے ساتھ۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ اسے گاڑی کی سمت لے آیا' اور پھر اس نے موآب کو اپنی پسند کی سرخ رنگ کی چوڑیاں کلائیاں بھر بھر پہنائیں' حالانکہ اس نے کہا بھی تھا کہ ایک ہاتھ میں ہی ٹھیک ہیں' مگر اس نے ایک بھی نہ سنی تھی۔

"ہاں اب دیکھو۔ان کلائیوں کا حسن کس قدر بڑھ گیا ہے۔"

اس نے ستائشی نظروں سے اس کی خوبصورت دودھیاں کلائیاں دیکھی تھیں' جن میں سرخ اور گولڈن رنگ کی چوڑیاں نہایت دلکش لگ رہی تھیں اور وہ جانے کیوں مسکرا کر نظریں جھکا گئی تھی۔شاید اس کی نگاہوں کی وارفتگی سے۔

پھر کتنی ہی دیر تک وہ لوگ ساتھ ساتھ گھومتے رہے تھے' اور موآب اس کی سنگت میں بے انتہا خوش تھی۔جی چاہ رہا تھا کہ یہیں وقت تھم جائے' اور اس شخص کی ہمراہی میں چلتے چلتے عمر تمام ہو جائے۔اس کا دل واقعی بے انتہا خوش تھا اور دل سے یہ دعا بھی نکلی تھی' کہ خدا اس ساتھ کو امر کر دے۔یہ چند پل کا ساتھی عمر بھر یونہی ساتھ چلتا رہے۔اے کاش۔

✦ ◈ ✦

یار ڈاڈھی عشق آتش لائی اے
او یار سانو لگ گئی بے اختیاری
سینے دے وچ نہ سمائی اے
یار ڈاڈھی عشق آتش لائی اے

وہ اپنی ترنگ میں گنگناتی ہوئی تیار ہو رہی تھی' جب خانم نے اس کے کمرے کے آگے سے جاتے ہوئے ٹھہر کر اسے دیکھا تھا۔وہ آنکھیں بند کیے ایک سرمستی کے ساتھ گا رہی تھی۔اردگرد کے ماحول سے یکسر بے نیاز۔انہوں نے بغور دیکھا تھا' اور پھر آگے بڑھ گئی تھیں۔

کتنے دن بیت گئے تھے اسے گئے ہوئے۔موآب پر ایک ایک پل بار گراں گزر رہا تھا۔روز یونیورسٹی جاتی اس آس پر کہ شاید وہ آج آ جائے گا' مگر ہر روز مایوسی ہوتی۔اس نے سوچا تھا کہ رافعہ سے پوچھوں گی' مگر پھر نہ جانے کیوں اپنی سوچ کو خود ہی مسترد کر دیا تھا۔

اس کا آنرز کا یہ آخری سال تھا' مگر کلاسز لینے کو اس کا دل ہی نہ چاہتا تھا۔ہر پل اس

شخص کی یاد بے کل کیے رکھتی۔کب آؤ گے اظہار بیگ۔دیکھو کیا حال کر دیا ہے کچھ دنوں کی تمہاری جدائی نے میرا۔جوگن ہو گئی ہوں میں تو تمہاری' اور تم کہیں مجھے بھول ہی تو نہیں گئے؟ سوچتے سوچتے اس کا ذہن شل ہونے لگا تھا۔

ہر پل وہ کلائیوں میں موجود چوڑیوں سے کھیلتی رہتی۔انہیں دیکھتی' باتیں کرتی' لبوں سے چھو کر آنکھوں سے لگاتی۔عجیب حالت ہو گئی تھی۔ان دنوں اس کی۔وسوسے بھی ڈیرا جمانے لگے تھے کہ کہیں عام نوجوانوں کی طرح اس نے اس کے ساتھ کہیں فلرٹ تو نہیں کیا' مگر پھر فوراً ہی اپنی سوچ کو جھٹک بھی دیتی تھی۔دل کے اندر کہیں یہ یقین بھی موجود تھا کہ وہ لوٹ کر ضرور آئے گا۔اگر وہ اتنی بے قرار ہے تو یقیناً وہ بھی پرسکون نہیں ہوگا۔وہ اسے سوچتے سوچتے آنکھیں بند کر لیتی تھی' اور لب گنگنانے لگتے تھے۔

اور جب اس کی امید ٹوٹنے لگی تھی' تو اچانک ہی وہ آ گیا تھا۔اسے سامنے دیکھ کر وہ ساکت سی رہ گئی تھی' مگر وہ اسے یکسر نظر انداز کیے رافعہ' عامر اور سہیل وغیرہ سے باتوں میں بلکہ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔موآب نے ایک بار پھر نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا کہ شاید اس نے اسے دیکھا نہ ہو' مگر اس نے پھر بھی کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔تب اس کے لیے وہاں ٹھہرنا محال ہو گیا تھا۔دل کے اندر ایک شور سا بپا ہو گیا تھا۔پلکوں سے پانی رکنا دشوار ہو گیا تھا۔کتنے دنوں سے وہ اسے یاد کر رہی تھی۔اس کا انتظار کر رہی تھی' اور اس نے ایک نگاہ غلط بھی نہ ڈالی تھی اس پر۔وہ اسٹاپ پر کھڑی بڑی مشکل سے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی' جب اس کی نسان سنی اس کے قریب آ رکی اور کچھ ہی لمحوں بعد وہ بھی۔

"آؤ بیٹھو۔"

اس نے کہا اور ساتھ ہی ہاتھ تھام کر بٹھا بھی ڈالا۔وہ کوئی مزاحمت بھی نہ کر سکی۔البتہ جب وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تو اس نے اپنا سارا کا سارا رخ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔

"ناراض ہو؟"

اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا' اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے تھے۔اس نے گاڑی سائیڈ میں کر کے روک دی۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" بھاری آواز میں کہا' مگر اس نے پھر بھی حرکت نہ کی۔ہچکیوں کو ضبط کرنے کی کوشش میں پورا وجود لرزنے لگا۔

''یار! آخر یہ بن بادل برسات کس لیے۔ میں نے تو ذرا سا تنگ کرنے کے لیے ایسا کیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم......'' وہ ٹھہر کر اس کی جانب دیکھنے لگا' پھر بے اختیار ہی اس کی پوروں نے اس کے شفاف موتی چن لیے۔

''اچھا بابا۔ معافی دے دو۔ آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔'' اس نے باقاعدہ ہاتھ باندھ کر معافی طلب کی۔ وہ بھیگی بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے گھورنے لگی۔

''مجھے اس طرح مت دیکھو۔ اپنا ہوش کھو بیٹھوں گا۔'' بہت دھیمے اور سحر انگیز لہجے میں اس نے کہا تھا۔ وہ رخ پھیر کر باہر دیکھنے لگی۔ دل کی دھڑکنیں البتہ زیر و زبر ہو گئی تھیں۔

''کیوں لگائے اتنے دن؟'' سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ پوچھا۔

''کام تھا بھئی۔ اب بھی بہت جلدی میں آیا ہوں۔ فقط تم سے ملنے' تمہیں دیکھنے کہ آنکھیں کئی دنوں سے دید سے سیراب نہیں ہوئی تھیں۔ نظر و دل کئی دن سے تمہاری موہنی سی صورت دیکھنے کے متلاشی تھے۔ پل پل تمہیں یاد کرتا۔ کسی پل بھی تمہارا تصور ذہن سے نہیں ہٹتا تھا۔'' وہ بول رہا تھا' اور موآب کے دل کی زمین سیراب ہوتی جا رہی تھی۔

''سنو۔ کیا تم بھی مجھے یاد کرتی تھیں؟'' اس نے اس کا رخ اپنی سمت موڑ کر اس کی کانچ سی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ اس کی نگاہوں میں کیسے کیسے جذبے تھے' کیسی وارفتگی اور والہانہ پن تھا۔ وہ ایک پل بھی نہ دیکھ سکی تھی' اور نظریں جھکا گئی تھیں' حالانکہ دل کچھ دیر پہلے تک اس سے لڑنے کو چاہ رہا تھا' مگر اب ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہ ہو رہا تھا۔ جانے کیسی طاقت تھی اس کی محبت میں کہ اسے دیکھتے ہی وہ سب کچھ فراموش کر گئی تھی۔ دل کے لیے یہ احساس ہی جان افروز تھا کہ وہ شخص اس کے سامنے بیٹھا تھا' قریب تھا۔ جو اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا' اور جسے وہ خود بے انتہا چاہتی تھی۔

''کچھ کہو گی نہیں؟'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی' اور وہ ایک نظر دیکھ کر رہ گئی تھی۔

کیا بولوں۔ ساری باتیں تو بغیر کہے ہی جان جاتے ہو۔ اس نے سوچا تھا' کہا نہیں تھا۔ اس نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی تھی۔ ''نہیں پلیز۔'' اس نے ملتجی نظروں سے دیکھا تھا' مگر وہ اس کی کلائی تھام کر اندر لے گیا تھا۔

''جتنے لمحے ہیں میرے پاس انہیں حسین تر کرنا چاہتا ہوں' تمہاری سنگت میں گزار کر۔'' اس نے کونے والی میز کا انتخاب کیا تھا' اور نہ جانے کیوں اس کا دل ڈرنے سا لگا

تھا۔ اظہار نے ویٹر کو بلا کر آرڈر دیا تھا۔ وہ کسی خوف کے پیش نظر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا ہے بھئی۔ یہ ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں' خدانخواستہ میں تمہیں بھگا کر تو نہیں لے آیا۔'' اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

''نہیں یہ بات نہیں' دراصل وہ اگر خانم کو پتا چل گیا' تو وہ شاید اس بات کو اچھا نہ سمجھیں۔'' اس نے سنبھل کر دل کی کیفیت عیاں کی۔

''کچھ نہیں ہوگا بھئی۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔''

اس نے اپنا مضبوط سا ہاتھ اس کے نازک سے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ ''پھر جس ماحول میں اور طبقے میں تم رہتی ہو وہاں اتنی پابندیاں بھی نہیں ہوتیں۔'' اس نے اگرچہ بہت عام سے لہجے میں کہا تھا' مگر موآب اسے دیکھنے لگی تھی۔ نہ جانے کیوں لگا تھا کہ اس شخص نے اسے کوئی گالی دے ڈالی ہے۔ اس کی پہچان' اس کے لیے ایک گالی ہی تھی۔

''کیا ہوا بھئی چائے لو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' اس نے کہا تو اس نے کپ اٹھا کر جلدی سے منہ کو لگا لیا۔

''اظہار بیگ چغتائی! کیا تم جانتے ہو۔ جس لڑکی کو تم اتنی شدت سے چاہتے ہو۔ اس کی کوئی شناخت نہیں' کوئی پہچان نہیں۔'' اس نے دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ اظہار نے کچھ لمحوں تک خاموشی سے اسے دیکھا تھا' پھر مسکرا دیا تھا۔

''مجھے تمہاری شناخت یا اس جیسی ہی کسی دوسری بات سے کوئی سروکار نہیں۔ میرے لیے بس تم اہم ہو۔ تم کیا ہو؟ کیوں ہو؟ کہاں رہتی ہو؟ یہ باتیں میرے لیے بہت ثانوی سی ہیں۔'' اس نے چائے کے سِپ لیتے ہوئے بہت رسان سے کہا تھا۔

''مگر کیا دوسرے لوگ بھی یہ باتیں تسلیم کر لیں گے؟''

اس نے کپ نیچے رکھ کر کہا۔

''کون دوسرے لوگ؟'' اس نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا' پھر خود ہی بولا۔ ''میرا خیال ہے کسی کو بھی دوسروں کو ذاتیات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے' اور پھر ہمارے بیچ یہ لوگ کہاں سے آ گئے۔ فی الحال تو ہم صرف دو ہی ہیں۔'' اس نے خاصی شرارت سے جھک کر کہا تھا۔ اس کے چہرے پر رنگوں کی قوس قزح سی پھیل گئی تھی۔

اظہار بیگ نے کوٹ کی جیب میں سے کچھ ٹٹولا تھا' اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کے

ہاتھ میں ننھی سی مخمل کی ڈبیہ تھی۔

"دیکھو میں کیا لایا ہوں تمہارے لیے؟" اس نے ڈبیا کھول کر سامنے کی۔ ہیرے کی بہت خوبصورت اور نازک سی انگوٹھی چمک رہی تھی۔

"اتنے مہنگے گفٹ کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے تعرض کیا' مگر اظہار بیگ نے انگوٹھی نکال کر اس کی مخروطی انگلی میں ڈال دی۔

"مہنگی یہ پہلے نہیں تھی۔ تمہاری انگلی میں آ کر ہوئی ہے۔ دیکھو ہے نا۔" اس نے تصدیق کے لیے اس کا ہاتھ اس کے سامنے رکھ دیا تو وہ صرف دیکھ کر رہ گئی' پھر ہولے سے کہا تھا۔ "تھینکس یو۔"

"اچھا۔" وہ نہ جانے کیوں ہنس پڑا۔

✦ ◈ ✦

"کہاں رہتی ہو تم آج کل؟ ہوش بھی ہے تمہیں کچھ۔" خانم نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔ "کہاں سے آ رہی ہو اس وقت؟" اس نے بیگ صوفے پر رکھا' اور وہیں بیٹھ کر جوگرز اتارنے لگی تھی۔

"یونیورسٹی گئی تھی۔ آپ نہیں جانتی کیا؟" اس نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا تھا۔

"جانتی ہوں میں اور بھی بہت کچھ جانتی ہوں۔ جو آج کل تیرے رنگ ڈھنگ ہیں نا۔ خوب سمجھتی ہوں میں۔"

انہوں نے خاصے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"کیا سمجھتی ہیں آپ۔ کیا ہیں میرے رنگ ڈھنگ؟"

اس نے سلگتی نظروں سے دیکھا تھا۔ جانے کیوں غصہ آ گیا تھا اسے بھی۔

"تیری ماں کے بھی یہی رنگ تھے' مگر خوشی نہیں پائی تھی اس نے بھی۔ مت چلو ان راہوں پر جن کی کوئی منزل نہیں۔ بعد میں یہ نہ ہو کہ تم پچھتانا چاہو تو پچھتا بھی نہ سکو۔" ان کا چہرہ اندرونی دکھ کی ترجمانی کر رہا تھا' اور لہجہ ٹوٹا ہوا سا تھا۔

"مت نصیحتیں کریں مجھے۔" اس نے نظریں چرا لیں۔

"میں نانی ہوں تیری دشمن نہیں۔ پالا ہے میں نے تجھے۔ کس طرح مصیبتوں کے لیے تنہا چھوڑ دوں۔ کل کو تجھے کوئی دکھ ملے گا' تو درد مجھے بھی ہو گا۔ میں خود تجھے اس گناہوں کی دلدل سے الگ رکھنا چاہتی ہوں مگر......"

"میں آپ کو ایک بات سے باخبر کرنا چاہتی ہوں فی الحال۔" اس نے خانم کی بات کاٹ کر بڑے رسان سے کہا۔ "میں اپنے لیے راہیں منتخب کر چکی ہوں' اور یہ صرف راہیں ہی

نہیں ہیں۔ان پر میری منزل بھی کٹھن ہے۔میں نہ بھٹکوں گی' اور نہ ہی پچھتاؤں گی۔آپ فکر مند نہ ہوں۔"

خانم اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی تھی۔کیسا مضبوط اور نڈر لہجہ تھا اس کا۔وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔فوراً ہی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی' اور خانم ساکت سی ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔اس سے اس قدر گستاخی کی امید ہرگز نہ تھی۔دوسری بات انہوں نے یہ سوچی تھی کہ معاملات واقعی بہت آگے بڑھ گئے تھے۔گویا لڑکی ہاتھوں سے نکل گئی تھی' اور یہ ان کے لیے لمحہ فکریہ تھا۔وہ خاصی دیر بیٹھی اسی نہج پر سوچتی رہی تھیں۔

پھر اسی وقت خادم نے ابراہیم ظفر کے آنے کی اطلاع دی' تو انہوں نے اندر آنے کو کہا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ ابراہیم ظفر سے باتوں میں مشغول تھیں' اور ان کے ذہن نے پل میں ایک فیصلہ کر ڈالا تھا۔

✦ ◈ ✦

شام کے گہرے سائے پھیلے ہوئے تھے۔سورج آہستہ آہستہ اپنے مسکن میں سما رہا تھا۔کئی خوبصورت رنگوں نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' اور اس خوبصورت نظارے کا عکس وسیع و عریض سمندر کے پانی پر پڑ کے ایک عجیب چھب دکھا رہا تھا۔شام کا حسن دو آتشہ ہو رہا تھا۔

ساحل پر اظہار بیگ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر چلتی ہوئی موآب نے دھیرے سے کہا تھا۔

"کتنا حسین اور دلکش منظر ہے نا؟"

"ہوں مگر تم سے کم۔" اظہار بیگ نے مسکرا کر شوخی سے کہا' تو وہ مسکرا کر نظر جھکا گئی۔

"آپ تو بس۔" اس سے آگے اس سے نہ بولا گیا۔

اس کی نظروں کی تپش کو وہ عین اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔چلتے چلتے وہ دونوں وہیں ریت پر بیٹھ گئے۔لہریں آ کر ان کے قدموں سے ٹکرانے لگیں۔موآب ریت پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی۔اظہار بیگ اسے بغور دیکھنے لگا۔

"تمہیں معلوم ہے تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔"

موآب نے نظر اٹھا کر دیکھا اس کی نظریں سمندر پر تھیں۔شاید وہ اس کی وسعتوں کو

ناپنے کی کوشش کر رہا تھا پھر بولا۔

"جتنی شاید اس سمندر کی گہرائی ہو۔یا شاید اس سے بھی زیادہ۔" اس کا ٹھہرا ٹھہرا لہجہ اس کی سماعتوں میں رس گھول گیا۔وہ پھر نظریں جھکا گئی۔

"مجھے اس وقت فیض احمد کی ایک سرائیکی نظم یاد آ رہی ہے سنو گے۔"

"تمہاری زبان سے ادا ہونے والی ہر بات' ہر لفظ' ہر جملہ میرے لیے' میری سماعتوں کے لیے امرت رس ہے۔"

اظہار بیگ نے دھیرے سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔اس نے ایک نظر مسکرا کر دیکھا پھر گویا ہوئی۔

"لمبی رات سی درد فراق والی
تیرے قول تے اساں وساہ کر کے
کوڑا گھٹ کیتی مٹھڑے یار میرے
مٹھڑے یار میرے جانی یار تیرے
تیرے قول تے اساں وساہ کر کے
جھانجراں وانگ زنجیراں چھنکائیاں نیں
کدی کنیں مندراں پائیاں نیں
کدی پیریں بیڑیاں پائیاں نیں
جیڑے قول تے اساں وساں کیتا
اوہنے اوڑک توڑ نبھائیاں نیں

"ماشاء اللہ۔بہت اچھا ذوق ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے چھیڑا۔

"اور یہی میری زندگی کا سچ بھی ہے۔تمہارے بغیر میری زندگی واقعی ایک سیاہ رات کے مانند تھی۔" وہ کہہ کر نظریں جھکا گئی۔

"اور اب؟" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اب چہار سو الفت کی شمعیں روشن ہیں۔جنہوں نے اس اندھیرے کو یکدم مٹا ڈالا ہے' مگر مجھے جانے کیوں بہت ڈر لگنے لگا ہے اب۔لگتا ہے جیسے یہ روشنیاں مجھ سے چھن جائیں گی اور۔" اس کے ذہن میں کچھ دن پہلے والی خانم سے جھڑپ گھوم گئی۔

"ایسا کیسے سوچ لیا تم نے۔ کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟"

"اس ساری دنیا میں فقط تم ہی پر تو اعتبار کیا ہے میں نے۔" موآب نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"پھر؟"

"نہ جانے کیوں؟" وہ اپنے اندر کے اندیشوں کو اس پر واضح نہ کر سکی۔

"آؤ چلیں۔ رات خاصی ہو گئی ہے۔" اس نے کہا تو موآب اٹھ کھڑی ہوئی۔

کچھ دن رہنے کے بعد اظہار بیگ چغتائی پھر واپس لوٹ گیا۔

"جلدی واپس لوٹنا۔" جس وقت وہ جا رہا تھا۔ اس نے نم پلکوں کے ساتھ کہا تھا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا' پھر دھیرے سے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"یہ جدائی عارضی ہے۔ بہت جلد مٹ جائے گی۔"

اظہار بیگ نے دھیمے مگر گمبھیر لہجے میں کہا۔ "اداس مت ہونا۔ میں جلد لوٹ کر آؤں گا۔" موآب کے رخساروں پر پھیلتے ہوئے موتیوں کو اپنی پوروں پر چن لیا۔ اس کی بے قراری سوا ہونے لگی۔

اور پھر وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

زندگی ہجر کی سیاہ لمبی رات میں بدل گئی۔ وہ خاموشی سے ہر کام کیے جاتی' مگر وہ پھر بھی نہ گزرتا۔

ایک سرد شام وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اس کی یادوں کو تازہ کر رہی تھی' جب خانم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔

"بے بی جلدی سے تیار ہو کر نیچے آ جاؤ۔" وہ کہہ کر مڑنے لگی تھیں کہ وہ بول پڑی۔

"کس لیے؟" اس کے لہجے میں ناگواری کا واضح تاثر تھا۔ "ابراہیم صاحب آئے ہیں۔"

"پھر......؟" اس نے اپنا رخ کھڑکی کی جانب موڑ لیا۔

خانم چلتی ہوئی قریب آ گئیں۔

"پھر یہ کہ وہ کچھ وقت تمہارے سنگ گزارنے کا متمنی ہے۔ اس کا یہ شوق پورا کر دو۔ آج شام کی چائے تمہارے ساتھ باہر پینا چاہتا ہے۔"

"مگر میں......آپ جانتی ہیں کہ ابھی۔" اس نے بولنا چاہا تھا' مگر منہ سے بے ربط جملوں کے سوا کچھ نہ نکلا تھا۔ بہت کمزور محسوس کر رہی تھی' خود کو وہ اس وقت۔

"اٹھو شاباش ضد نہیں کرتے' پھر حرج ہی کیا ہے۔ ابراہیم ظفر شہر کے معزز ترین شخص ہیں۔" انہوں نے محبت کے ساتھ پچکارا۔ وہ بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"آپ پلیز کسی اور کو ان کے ساتھ بھیج دیں۔ میں ذہنی طور پر ابھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ جانے کیوں بھیگ گیا۔

"کچھ نہیں جانتی میں۔ جلدی سے تیار ہو کر نیچے آ جاؤ۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔" وہ سختی سے کہہ کر پلٹیں پھر ٹھہر کر دوبارہ مڑیں۔ "اب تک میں نے تمہارے ساتھ بہت نرم برتاؤ کیا ہے۔ مجھے کسی سختی پر مجبور مت کرنا' ورنہ بہت برا ہو گا تمہارے حق میں۔" وہ دروازہ ایک جھٹکے سے بند کر کے باہر نکل گئیں۔

موآب دھندلی آنکھوں سے دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

اس وقت وہ اپنے آپ کو بے حد بے بس محسوس کر رہی تھی۔ دل شدت سے رونے کو چاہ رہا تھا۔ اس کے اپنے ہی اسے تختہ دار پر چڑھا رہے تھے۔ کافی دیر تک بیٹھی وہ روتی رہی۔ چونکہ اس وقت جب خادم نے آ کر کہا کہ خانم اسے بلا رہی ہیں' تب وہ جلدی سے اٹھی وارڈ روب سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گئی' اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ خانم اور ابراہیم ظفر کے سامنے تھی' حالانکہ اس نے کوئی سنگھار بھی نہ کیا تھا' اور لباس بھی خاصا سادہ پہن رکھا تھا۔ بالوں کی ڈھیلی ڈھالی چوٹی تھی' اور سوجی سوجی سرخ آنکھوں سے عجیب سی وحشت ٹپک رہی تھی' مگر وہ سوگوار حسن اس لمحے بھی بہت سوں کے ہوش اڑا سکتا تھا۔

"ماشاء اللہ۔" ابراہیم ظفر نے خاصی "جانچتی" نظروں سے دیکھنے کے بعد کہا' اور وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی' جبکہ خانم کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

"چلیے۔" ابراہیم ظفر نے آگے بڑھ کر اس کے گرد بازو حمائل کر دیا' تو اسے جیسے کرنٹ چھو گیا۔ بدک کر ایک طرف ہٹنا چاہا تھا' مگر ابراہیم صاحب کی گرفت خاصی مضبوط تھی۔

"ابراہیم صاحب! ذرا جلدی واپس آ جائیے گا۔ بے بی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کہا تھا' اور وہ اسے لے کر آگے بڑھ گئے تھے۔ اسے خاصی وحشت ہونے لگی تھی' تب ہی جلدی سے ان کا ہاتھ جھٹک کر فرنٹ سیٹ پر

بیٹھ گئی تھی۔

''اوہو حضور! خاصے غصے میں ہیں۔'' خضاب لگے بالوں والے ابراہیم ظفر نے اپنی پوری بتیسی کی نمائش کی تھی' اور اس کا خون کھول کر رہ گیا تھا۔ اپنے سے تین گناہ بڑے شخص کے منہ سے اس قسم کے فقرے سن کر اسے خاصا غصہ آیا تھا' مگر کچھ بولنے کے بجائے وہ شیشے سے باہر دیکھنے لگی تھی اور جانے کیوں آنکھوں کی سطح گیلی ہوگئی تھی۔

✦ ◈ ✖

ان دنوں اس پر پھر وہی ڈپریشن طاری تھا۔ وہ دن بھر ماری ماری پھرتی رہتی۔ اظہار بیگ چغتائی کے ملنے سے اس کی زندگی میں جو ترنگ جاگی تھی' ان دنوں وہ ترنگ اچانک ماند سی پڑ گئی تھی۔ پل دو پل کی روشنی ہوئی تھی' اور اس کی زندگی میں پھر وہی سیاہ رات چھا گئی تھی۔

یا اللہ! میں کیا کروں آخر تو میری دعائیں کیوں نہیں سنتا۔ کیوں۔ آخر کیوں؟ بے بسی سے وہ سر جھٹکتی اور پھر آگے چل پڑتی۔

اس شام وہ ریسٹورنٹ میں بیٹھی کافی کے کپ سے کھیل رہی تھی' جب رافعہ نے سامنے آکر اسے چونکا دیا۔

''ہیلو بھئی کیا ہو رہا ہے۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ بھی گئی۔

''کچھ..... کچھ نہیں۔ بس یونہی۔'' وہ خواہ مخواہ ہنس پڑی۔ ''کافی پیو گی۔''

''نہیں تھینکس۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''میں عامر کے ساتھ آئی تھی۔ وہ اپنی شاپنگ کر رہا ہے۔ میں نے سوچا۔ ذرا وقت گزار لیا جائے یہاں۔'' پھر اسے بغور دیکھتی ہوئی بولی۔ ''اور تم کیا یہ اجاڑ سی بنی ہوئی ہو۔''

وہ تلخی سے ہنس پڑی۔

ہم اپنی طرز کے جوگی ہے اس زمانے میں
خود اپنے دل میں پڑے ہیں بنا کے ویرانے

''اوہو۔ بھئی کیا جوگ لے لیا ہے مگر کس کی خاطر؟ ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے کہ یہ اتنی حسین سی جوگن کس جوگی کی ہے۔'' اس نے شرارت سے جھک کر پوچھا تھا' اور اس کی نگاہوں کے سامنے فوراً اظہار بیگ چغتائی کی تصویر ابھر آئی

تھی۔ اس کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہا تھا کہ وہ کیسا ہے' کیا کر رہا ہے آج کل اور کب آئے گا آخر؟ مگر نہ جانے کیوں پھر اپنے خیال کو جھٹک دیا تھا۔ شاید وہ اپنا اور اظہار بیگ کا تعلق کسی پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ رافعہ کے سوال پر کافی کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا گئی تھی۔

''آج یونیورسٹی نہیں آئی تھیں تم؟'' رافعہ نے پھر پوچھا۔

''ہاں۔ طبیعت ذرا ٹھیک نہیں تھی۔'' اس نے ویٹر کو بلا کر رافعہ کے لیے چائے کا آرڈر دیا۔

''کیوں کیا ہوا بھئی؟'' رافعہ فکرمندی سے بولی۔

''کچھ نہیں۔ بس بدلتے موسم کا اثر ہے۔''

''ہاں خنکی پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے ناں۔''

''ہاں شاید۔'' اس نے خالی ذہن کے ساتھ کہا۔ اسی دم رافعہ اسے دیکھ کر چونک گئی۔

''اوہ تم نے تو کوئی گرم کپڑا بھی نہیں پہنا ہوا۔ اس طرح تم بیمار نہیں پڑو گی تو بھلا اور کیا ہوگا؟'' اس نے ڈپٹا تھا' مگر وہ مسکرا دی۔

''مجھے سردی نہیں لگتی بھئی۔''

''کیسے نہیں لگتی۔ کیا کسی دھات سے بنی ہوئی ہو تم۔ لو تم یہ اوڑھ لو۔'' اس نے جلدی سے اپنی گرم شال اتار کر اسے دی۔

''نہیں بھئی۔ میں نے کہا نا کہ مجھے.....'' مگر رافعہ نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی۔

''بکواس مت کرو۔ میرے پاس سویٹر ہے' اور پھر مجھے تو گاڑی میں جانا ہے' ہیٹر آن ہوگا۔ سردی کا پتا ہی نہیں چلے گا۔'' اس نے زبردستی شال اسے اوڑھا دی۔ اسی دم عامر آ گیا۔

''ہیلو۔ اتنے حسین حسین لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں' اور ہمیں خبر ہی نہیں۔'' عامر نے شوخی سے کہا' تو وہ مسکرا دی۔

''اچھا بھئی۔ میں چلتی ہوں اب اور تم بھی فوراً گھر کی راہ لو' بلکہ ہم ڈراپ کر دیتے ہیں تمہیں۔ اندھیرا خاصا بڑھ گیا ہے۔'' رافعہ نے آفر دی۔

''نہیں شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''تم لوگ جاؤ میں کسی کا

انتظار کر رہی ہوں۔"

اس نے یونہی جھوٹ بولا' ورنہ رافعہ اسے ہر صورت میں اپنے ساتھ لے جاتی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔"

وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی' تو وہ ایک گہرا سانس لے کر کافی کے ٹھنڈے مگ پر جھک گئی۔

✦◈✦

سمسٹر ہونے والے تھے' مگر ان دنوں اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ کچھ بھی پلے نہ پڑ رہا تھا۔ کئی دن ہو چکے تھے' مگر اس پر چھائی ہوئی وہ کیفیت اب بھی طاری تھی۔ خانم کا رویہ روز بروز اس کے ساتھ بدلتا جا رہا تھا' اور اس کا وجود تاریکیوں سے مزید تاریکیوں میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔ اس ستم گر کی بھی کوئی خبر نہ تھی۔ کئی دن گزر گئے تھے اسے گئے ہوئے' مگر اب تک لوٹ کر واپس نہ پلٹا تھا' اور اس نے مکمل ارادہ کر لیا تھا کہ وہ رافعہ سے اس کے متعلق کچھ پوچھے گی' مگر پھر اچانک ہی وہ سخت بیمار پڑ گئی تھی۔ بخار نے اٹھنے کے بالکل قابل ہی نہ چھوڑا تھا' اور وہ کئی دنوں تک کے لیے بستر سے لگ کر رہ گئی تھی۔ خانم پوری طرح سے اس کی تیمارداری کر رہی تھیں' اور اسے سخت کوفت ہو رہی تھی۔ جب وہ اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھیں' تو اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ خانم کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"خدا کے لیے مجھے مر جانے دو۔ مت کرو میری تیمارداری۔ تمہاری دی ہوئی زندگی موت سے زیادہ بھیانک اور بدصورت ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے۔ نہیں ضرورت مجھے کسی کی۔" اس کا وجود بخار سے پھنک رہا تھا' مگر اس کے باوجود وہ دھاڑ رہی تھی' چیخ رہی تھی۔

خانم نے ایک نظر اسے دیکھا تھا' اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں' اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

یا اللہ! تو کیوں موت نہیں دے دیتا مجھے؟ میں تنگ آ گئی ہوں اب اس زندگی سے۔ کسی بوجھ کی طرح یہ بھیک میں ملی ہوئی زندگی۔ نہیں جینا چاہتی میں ایسی زندگی۔ وہ بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عمراں لنگھیاں پبھاں بھار
ہالی نہ دس ادکالیا

پردیس گئیوں پردیسی ہوؤں
تیریاں نت وطناں دل لوڑاں
کملی کر کے چھوڑ دتواو
تے بیٹھی لکھ گلیاں دے رولاں
غلام فرید میں تے دوزخ سڑساں
جے میں لکھ ماہی ولوں موڑاں
عمراں لنگھیاں پبھاں بھار

کافی دن بعد اس کا بخار اترا تھا۔ بیماری نے اسے خاصا کمزور کر ڈالا تھا۔ نقاہت بے حد تھی' مگر وہ پھر بھی تکیوں کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئی' پھر جلد ہی تھک گئی' تو دوبارہ لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ جانے کیوں آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ اتنے دنوں تک وہ بستر پر پڑی رہی تھی' اور کسی نے پلٹ کر اس کی خبر نہ لی تھی۔ اکیلے پن کی بھی انتہا تھی۔ کون تھا' جو اس کے لیے سوچتا۔ اس کی خبر گیری کرتا۔ خانم نے تو اس روز سے پلٹ کر دوبارہ نہ پوچھا تھا' اور ایک وہ ستمگر تھا' جو جا کر اس کی خیریت پوچھنا بھی بھول جاتا تھا۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے' جب خادم نے آ کر اسے بتایا کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے۔

"کون ہے؟" اس نے قدرے حیران ہو کر پوچھا تھا۔

بھلا اس سے ملنے کون آ سکتا تھا۔ کون تھا اس کا۔

"پتا نہیں جی۔ آپ کا پوچھ رہے تھے۔ بھیج دوں؟"

"ہاں بھیج دو۔" اس نے گومگو کی کیفیت میں کہا' اور آنکھیں رگڑ کر اٹھ بیٹھی۔ اسی دم دروازہ دستک کے ساتھ کھلا اور آنے والا اندر داخل ہوا۔

"اظہار بیگ چغتائی۔" اس نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ لبوں نے ہلکے سے اس کا نام پکارا اور پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔ کمبل ایک طرف اچھال کر تیزی سے اٹھی اور اس کے چوڑے شانے سے جا لگی۔

"کہاں چلے گئے تھے مجھے چھوڑ کر؟ اتنے دن تک میں نے کتنا یاد کیا تمہیں' کتنا مس کیا تمہیں' کس قدر تڑپی' کچھ اندازہ ہے تمہیں۔" پیار کے بول عجب دیوانگی میں لبوں سے ادا ہو رہے تھے۔ اسے کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ یاد تھا تو فقط اتنا کہ اس کا محبوب اس کے روبرو تھا۔ اس

کے قریب تھا۔

بے حد قریب کہ وہ اسے چھو کر محسوس کر سکتی تھی۔ اس کی دھڑکنوں کو سن سکتی تھی۔ اس کے مضبوط سہارے تلے چھاؤں محسوس کر سکتی تھی۔

سکون پا رہی تھی اس کے چھپر چھاؤں میں۔ آنسو تیزی کے ساتھ آنکھوں سے بہہ نکلے تھے' اور دبی دبی سسکیاں چند لمحوں میں ہچکیوں میں بدل گئی تھیں۔ اظہار بیگ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پیچھے ہٹا دیا۔

''اس طرح مت رو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔'' اس نے اس کی پلکوں کے موتی چن لیے۔

''کیوں جاتے ہو مجھے چھوڑ کر؟ نہیں جی سکتی میں اب تمہارے بغیر۔ مجھے یہاں سے کہیں دور لے چلو۔ بہت دور جہاں یہ دنیا والے نہ ہوں' کوئی بھی نہ ہو۔'' وہ اپنے حواسوں میں نہ تھی۔ اظہار نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔ گلاس میں پانی ڈال کر اسے پلایا۔ خاصی دیر خاموشی چھائی رہی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ شاید حواس واپس آ رہے تھے۔ اظہار بیگ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید اپنے کچھ دیر قبل والے اقدام پر شرمندہ تھی۔ تب ہی نظریں نہ اٹھا رہی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری جدائی تمہارا یہ حال کر دے گی' ورنہ کبھی نہ جاتا۔'' اظہار بیگ نے شرارت سے جھک کر اس کے چہرے پر آئی لٹ کو پیچھے ہٹایا' مگر وہ چپ بیٹھی رہی۔

''تمہیں نہیں پتا میں نے یہ وقت کس طرح کاٹا ہے۔ بالکل بے آسرا' بے سہارا ہو گئی تھی میں۔ میرے پاس تو آنسو ہی بہالیتی۔'' اس کی آواز پھر بھرا گئی۔

''چلو اب تو یہ حسرت باقی نہیں رہی۔'' اس نے اپنی گیلی آستین کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا' اور وہ شرمندہ ہو گئی۔

ویسے آج اس بات کا تو انکشاف ہو گیا کہ تم مجھے کتنا چاہتی ہو۔'' اس نے پھر چھیڑا۔

''آپ کو شرارت سوجھ رہی ہے' اور یہاں جان پر بنی ہوئی تھی۔''

''اچھا۔'' وہ کہہ کر زور سے ہنسا۔

''کیا پیو گے ٹھنڈا یا؟'' موآب نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی نہیں' نہ ٹھنڈا اور نہ ہی گرم۔ تم آرام کرو اور خبردار جو بستر سے ہلیں!

تو۔ میں پھر آؤں گا۔'' اس نے لٹا کر اسے کمبل اوڑھا دیا۔

''کیا تم جا رہے ہو ابھی؟''

''ہاں جلدی ہی دوبارہ آؤں گا' اور تب مجھے یہ صورت اس طرح روتی ہوئی نہ ملے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ اسی دم خادم ٹرالی لے کر اندر داخل ہوا۔

''دیکھو۔ خادم چائے لے آیا ہے۔ پلیز کچھ دیر ٹھہر جاؤ۔'' اس کا لہجہ ملتجی ہو گیا۔

''نہیں کل سہی۔'' وہ تیزی سے مڑا۔ موآب کی آنکھوں میں پانی جھلملا گیا۔ اس دم وہ واپس پلٹا۔

''تم نے کچھ کھایا ہے صبح سے یا کہ نہیں؟''

''بے بی بھوکی ہیں صاحب! کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔'' خادم نے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ اور دلیا وغیرہ بنا کر لاؤ۔'' وہ بیٹھ کر اسے چائے کے ساتھ بسکٹ کھلانے لگا۔

''تمہاری خانم نظر نہیں آ رہیں۔''

''شاید کہیں گئی ہوئی ہیں۔'' اس نے کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا' اور خود پینے لگی۔ جانے کیوں اس کے ہاتھوں سے پیتے ہوئے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کی اس حرکت پر خفیف سا مسکرا دیا۔

پھر خاصی دیر تک وہ بیٹھا اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا' اور اس کے اندر گہرا اطمینان اترنے لگا۔

موآب نے ایک بات شدت سے محسوس کی تھی' کہ اظہار بیگ چغتائی پہلے کی بہ نسبت خاصا مختلف ہو گیا ہے۔ بدل گیا ہے۔ وہ اس سے بات بھی کرتا تو اسے محسوس ہوتا کہ جیسے اس کے لہجے میں پہلے جیسی بات نہیں۔ انداز کھویا کھویا سا ہے۔ اس نے پوچھا تو اظہار بیگ نے یونہی ٹال دیا' مگر جانے کیوں اس کے دل میں ایک خوف نے گھیراؤ کر لیا۔

اور اس شام جب خنکی خاصی بڑھ گئی تھی' اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''آخر تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتے کہ بات کیا ہے؟''

اظہار بیگ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا' اور پھر مسکرا دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ تمہیں کیوں وہم ہو رہا ہے۔''

''وہم نہیں ہے یہ حقیقت ہے۔ پہلے سے خاصے تبدیل ہو چکے ہو تم۔'' اس نے اظہار بیگ کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''اچھا'' وہ مسکرا دیا تھا پھر اس کا مخروطی ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔

''دراصل میں ذہنی بکھیڑوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ ہماری کچھ زمینوں پر لوگوں نے ناجائز قبضہ کرلیا ہے۔ کافی عرصہ ہوگیا ہے مقدمہ چلتے ہوئے' مگر اب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا۔ میں جلد سے جلد یہاں شفٹ ہونا چاہتا ہوں' مگر یہی بات میری راہ کی رکاوٹ بن رہی ہے۔'' اس نے کہا تو مو آب صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

''رافعہ وغیرہ کیسے ہیں؟''

''کیوں کیا آپ ان کی طرف نہیں گئے؟''

''نہیں' ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ واپس جلدی جانا ہے' اسی لیے گیا نہیں' پھر میں زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔'' اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔

''کب تک آپ کے معاملات سیٹ ہوں گے۔'' اس نے آہستہ سے گردن اٹھا کر پوچھا۔

''جلد ہی۔'' اس نے قدموں کی رفتار قدرے تیز کر دی۔

''کل واپس چلے جائیں گے؟''

''نہیں آج شام ہی۔''

''کیا ممی کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟''

''نہیں اگرچہ عمران ان کے پاس ہے' مگر وہ خاصا غیر ذمے دار لڑکا ہے۔''

''پھر کب واپسی ہوگی؟'' اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر پوچھا۔

''دیکھو۔ شاید کچھ دن لگ جائیں۔''

''زیادہ دن مت لگانا۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

اظہار بیگ ہنس پڑا تو وہ خجل سی ہوگئی' تب ہی بولی۔ ''دراصل خانم کا رویہ ان دنوں کچھ اچھا نہیں ہے میرے ساتھ۔ میں بہت جلد پریشان ہو جاتی ہوں۔''

''کیوں ان کے رویے کو کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا تو مو آب نظریں جھکا گئی۔

''پتا نہیں۔ شاید وہ حق پر ہیں۔ یا شاید میں' مجھے نہیں پتا۔'' مو آب نے بے ربط سے

انداز میں کہا۔ اظہار بیگ نے بغور دیکھا۔

''کچھ کہا ہے انہوں نے تمہیں؟''

''آؤ چلیں۔ سردی خاصی بڑھ گئی ہے۔'' اس نے اظہار بیگ چغتائی کے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا' اور ساتھ ہی واپسی کے لیے قدم بھی اٹھا لیے تو اظہار بیگ بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔

اظہار بیگ چغتائی کے جانے کے بعد اس کی زندگی میں پھر وہی گہری دھند چھا گئی تھی۔

محبت کسی بھی نتیجے کے خوف سے ماورا ہوتی ہے' اور اس کی محبت نے بھی نتیجے کی پروا نہیں کی تھی۔ تب ہی تو اظہار بیگ چغتائی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔ وہ یہ بات قطعاً نہیں جانتی تھی کہ ان کا ملن اس روئے زمین پر ہوگا بھی یا کہ نہیں' مگر اس نے اس ملن کی دعائیں ضرور مانگ ڈالی تھیں۔

اپنے رب سے گڑگڑا کر یہ دعا کی تھی' کہ اے مالک اس پیارے سے شخص کو میرا ہم سفر کر دے زندگی بھر کے لیے۔ اگر کبھی ذہن میں کوئی منفی خیال بھی آتا' تو وہ فوراً جھٹک دیتی کہ وہ ایسی کوئی بات سرے سے سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ دل کی دھڑکنیں جانے کیوں تھمنے سی لگتی تھیں۔ جان جسم سے نکلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی' اور اس کا ہر عضو پکار اٹھتا۔ اے خدا! میں نے زندگی میں کبھی کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ اظہار بیگ چغتائی میرے لیے پہلی خوشی ہے' آس ہے' زندگی ہے۔ مجھ سے میری زندگی مت چھیننا کہ اس کے بغیر......

اور اس سے آگے وہ کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی' مگر سوچوں کا بے لگام گھوڑا جب بہت تیزی کے ساتھ حرکت کرنے لگتا' تو وہ اِدھر اُدھر بولائی بولائی پھرنے لگتی۔ یا پھر ریاض میں مصروف ہو جاتی' اور جب پاؤں شل ہونے لگتے تو بیڈ پر گر جاتی۔

عجب وحشت طاری ہو جاتی تھی اس پر۔ لمبے لمبے سانس لے کر خود کو نارمل کرتی' اور اگر پھر بھی دل نہ بہلتا تو باہر نکل جاتی۔ راستوں پر یونہی بلا وجہ بھٹکتی رہتی۔ جب بہت زیادہ تھک جاتی تو پھر گھر لوٹ آتی۔

وہ جوگرز کے لیس باندھ رہی تھی' جب امینہ خانم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

بہت دنوں بعد ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ ہوا تھا۔

''یونہی گھومنے۔'' اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

''امتحان کب ہو رہے ہیں تمہارے؟'' ان کا انداز بہت سے معنی لیے ہوئے تھا۔

موآب نے ایک نظر دیکھا' پھر نظریں دوبارہ جھکا لیں۔

''کچھ ہی دن رہ گئے ہیں۔''

''چلو۔شوق تو پورا ہو گیا تمہارا۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔موآب نے ان کی ہنسی میں چھپا تمسخر صاف محسوس کر لیا' مگر بولی پھر بھی کچھ نہیں۔

''ویسے کیا ضرورت تھی اس جھنجٹ کی۔کرنا تو تمہیں وہی کچھ ہے' جو ہمارے ہاں کی روایت ہے۔پڑھنے لکھنے سے ایک طوائف زادی کی تقدیر بدل تو نہیں جائے گی۔''

اس نے چونک کر نظر اٹھائی تھی۔ناگواری کی واضح لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔

''شرم بلکہ گھن آ رہی ہے مجھے آپ کے ساتھ اپنے تعلق سے۔اب سے پہلے میرے دل میں پھر بھی بہت عزت و احترام تھا' مگر آپ نے سفاکی کی انتہا کر دی ہے۔سنا تھا ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے' مگر آپ تو کسی ناگن کی طرح ہیں' جو اپنے بچوں کو ہی کھا جاتی ہے۔آئی ہیٹ یو۔آئی ہیٹ یو۔'' وہ چیخی تھی اور خانم نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا۔وہ متحیر سی منہ پر ہاتھ رکھے دیکھتی رہ گئی تھی اور خانم تیزی سے باہر نکل گئی تھیں۔

✦ ◈ ✖

''کہاں ہوتی ہو آج کل۔نظر ہی نہیں آتیں۔'' رافعہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔آج کئی دنوں کے بعد وہ یونیورسٹی گئی تھی۔وہ چپ چاپ بیٹھ گئی تھی۔

''جانتی ہو سمسٹر ہونے والے ہیں۔''

''ہاں۔تم مجھے اپنی فائل دے دینا' میں لائبریری میں بیٹھ کر سارے لیکچر نوٹ کر لوں گی۔'' اس نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔رافعہ نے بغور دیکھا۔

''کیا ہوا؟ کیا اب تک طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی؟'' پھر بولی۔''ایک تو تمہارے والدین بھی عجیب ہیں۔تمہاری ذرا بھی خبر گیری نہیں کرتے۔کسی دن یونہی مر مرا گئیں تو۔'' اس نے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا ہے ناں جان چھوٹ جائے گی۔اس نے دل ہی دل میں کہا تھا' اور تلخی سے مسکرا دی تھی۔''

رافعہ اپنی ہی دھن میں کہے جا رہی تھی۔

''ایک میرے ممی پاپا ہیں۔مجھے ذرا سی چھینک بھی آ جائے تو ان کی جان پر بن جاتی ہے۔ڈاکٹروں کی لائن لگا دیتے ہیں' اور جب تک میں بھلی چنگی نہ ہو جاؤں' بستر سے اٹھنے نہیں دیتے۔''

''خوش نصیب بلکہ بہت زیادہ خوش نصیب ہو تم۔اب ہر کوئی تم جیسا نصیب تو نہیں پاتا نا۔اگر میرے بس میں ہوتا تو یقیناً تمہارے گھر میں ہی جنم لیتی۔'' اس نے بظاہر مذاق میں کہا تھا' مگر دل کا درد دو چند ہو گیا تھا۔لگ رہا تھا گوشت کے اس مٹھی بھر کے ٹکڑے کو کوئی نوچ رہا ہو۔

''اور یہ میری خوش قسمتی ہوتی کہ اتنی کیوٹ سی لڑکی میری بہن ہوتی۔تم تصور نہیں کر

سکتیں کہ مجھے کتنی خواہش ہے کسی بہن کی۔" رافعہ نے مسکراتے ہوئے کہا' تو اس نے گفتگو کا رخ ہی پلٹ دیا۔

"باقی لوگ کہاں ہیں؟"

"کلاس لے رہے ہیں۔ میرا موڈ نہیں تھا' سو یہاں بیٹھ گئی تھی۔"

وہ فائل کھول کر دیکھنے لگی۔ اسی دم پورا گروپ آ گیا۔

"آج سورج کس سمت سے نکلا بھئی۔" عامر نے حیرت کا شدید اظہار کیا۔

"معجزے اس صدی میں بھی ہو رہے ہیں۔ حیرت ہے۔" سہیل نے بھی اسے بغور دیکھنے کے بعد مسکرا کر کہا۔

وہ چپ بیٹھی دیکھتی رہی۔ معلوم تھا وہ اسی طرح اول فول بکتے تھے۔

"یعنی ہم محترمہ عزت مآب' موآب صاحبہ کے روبرو بلکہ وہ ہمارے روبرو ہیں۔" زیب بھی کیوں پیچھے رہتی' اور نوشینہ نے جب اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

"اج تے کمال ہی ہو گیا اے۔ بلے بھئی۔ بلے۔" تو چہار سو قہقہوں کا جلترنگ سا بج اٹھا تھا' اور وہ بھی مسکرا دی تھی۔

اس کے سمسٹر ہو رہے تھے اس لیے ہر طرح کی سوچ کو جھٹک کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ تیاری کر رہی تھی۔ یہ اس کا آخری سال تھا' اور سال بھر سے وہ کچھ پڑھ نہ سکی تھی۔ آخری دنوں میں ہی رافعہ سے نوٹس لے کر فوٹو کاپی کروائے تھے' اور اب اس نے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ خدا خدا کر کے پرچے ختم ہوئے اور اس نے سکھ کا سانس لیا۔

آخری دن جی بھر کر سوئی' کسی نے اسے اٹھایا نہیں تھا۔ رات کو جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو خادم کھانے کے لیے کہنے آ گیا تھا۔

وہ بالوں میں برش کر کے باہر نکل آئی تھی۔ کئی دنوں سے خانم سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا' مگر آج کھانے کی میز پر وہ موجود تھیں۔ انہیں دیکھ کر موآب پہلے ٹھٹکی پھر اطمینان سے چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی۔ خاموش فضا میں ہی کھانا شروع کیا گیا۔ وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ کھاتی رہی۔

"ایگزیم ختم ہو گئے؟" خانم نے اچانک پوچھا' تو وہ چونک کر دیکھنے لگی پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اب کیا ارادے ہیں؟" انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ایک طوائف زادی کے عزائم کیا ہو سکتے ہیں؟" اس نے خاصی ترشی سے کہا' وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں پھر بولیں۔

"وجاہت علی صاحب نے بہت پرکشش آفر دی ہے۔ وہ تمہیں اپنی مووی میں ہیروئن کاسٹ کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے کھانے سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا اور جگ سے پانی انڈیل کر ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر گئی۔

"ابراہیم ظفر سے بھی بڑی اسامی ہیں کیا یہ موصوف؟" اس نے گہرے طنز سے کہا' پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے تمہارا جواب چاہیے۔" خانم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"سوچ کر بتا دوں گی۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

کئی دن گزر چکے تھے' مگر اظہار بیگ چغتائی نے پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ سوچ سوچ کر اس کا ذہن شل ہو چکا تھا۔ اس سے کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ خانم جلد سے جلد اس کا جواب چاہتی تھیں' مگر وہ خاموش تھی۔ غصہ اسے اس شخص پر بھی آ رہا تھا' جو جا کر واپس آنا بھول جاتا تھا' پھر خود ہی یہ سوچ کر خود کو دلاسا دیا تھا کہ وہ یقیناً مصروف ہو گا' ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس سے ملنے نہ آتا۔

جتنی بے قرار وہ تھی' اس کے لیے یقیناً اتنا ہی بے قرار وہ بھی تھا۔ اس کا اندازہ اس نے اس کی والہانہ نظروں اور محبت سے لبریز جملوں سے لگایا تھا' جو اس کے لیے انمول موتی تھے۔ پل پل اس کا خیال' اس کی یاد' اس کی باتیں اس کا گھیراؤ کیے رکھتیں۔

اور اس شام جب وہ اس کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی وہ آ گیا۔ اس نے اس کے بھاری قدموں کی چاپ پر سر اٹھا کر دیکھا تھا' اور کتنے ہی لمحے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔

"بھئی یہ کوئی خواب نہیں ہے۔ حقیقت میں' میں تمہارے سامنے ہوں۔ دیکھو۔ چھو کر محسوس کر لو اگر یقین نہ آئے تو۔" اظہار بیگ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا' تو اس نے نظریں جھکا لیں' بولی پھر بھی کچھ نہیں۔

"ناراض ہو بھئی کیا؟" اس نے جھک کر پوچھا۔

"آپ کو اس سے کیا؟"

"کیوں بھئی؟ ہمیں ہی تو فکر ہے آپ کی۔" پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "اب یہ مت کہنا کہ ہم آپ کے ہیں کون کیونکہ یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو۔" اس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"کیوں لگائے اتنے دن؟"

"کیوں ہجر سے تنگ آ گئی تھیں؟" اس نے شوخی سے کہا۔

"نہیں۔ ہجر کا بھی اپنا ایک لطف ہے۔" موآب نے نظریں جھکا کر کہا، پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کیا لاؤں آپ کے لیے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے کہا اور ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا ہے یہ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"خود دیکھ لو۔" اظہار بیگ دھیرے سے مسکرایا۔

"وہ جلدی سے پیکٹ کھولنے لگی۔ سامنے ہی خوبصورت سا میرون رنگ کا سوٹ تھا۔ گلے اور آستین پر بہت نازک سا گولڈن اور سبز موتیوں سے کام بنا ہوا تھا۔

"اچھا ہے نا؟" اظہار بیگ نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے شوخی سے دیکھا پھر بولی۔ "بہت اچھا ہے۔" اظہار بیگ زور سے ہنس پڑا تھا۔

"معلوم ہے تم پر یہ کلر بہت جچتا ہے اور جب ہم پہلی بار ملے تھے تو تب بھی تم نے یہ کلر پہنا ہوا تھا۔"

"اچھا۔" موآب چونکی پھر مسکرا دی۔ "مجھے تو بالکل یاد نہیں۔"

"ہمیں تو یاد ہے بھئی اور وہ شاعر نے بھی کیا خوب کہا ہے کہ۔

جہاں پہلی بار ملے تھے ہم وہ رہ وفا مجھے یاد ہے
میرا چین جس نے چرا لیا وہ تیری ادا مجھے یاد ہے"

اس نے والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو موآب نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکا لیں۔ اس نے دھیرے سے اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے زندگی میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کسی کی چاہت یوں میرے قدموں

زنجیر بن جائے گی۔ میں محبت کو فضولیات قرار دیتا تھا، نہ جانے کیسے تم جیسی ساحرہ کا اسیر ہو گیا۔" اس کا دھیما لہجہ اس کی سماعتوں میں رس گھولنے لگا۔

"سنو کیا جادو کیا ہے تم نے مجھے، جو میں اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھا ہوں۔ تمہارے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔"

اس نے موآب کی زلفوں کو چھو کر دھیرے سے کہا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے نروس لہجے میں کہا، تو وہ زور سے ہنس پڑا اور وہ خجل سی ہو گئی۔ وہ کمرے میں جانے لگی تھی کہ اس نے پکار لیا۔

"سنو، جلدی سے یہ سوٹ پہن کر تیار ہو جاؤ۔ آج ہم کہیں باہر کھانا کھائیں گے۔" اس نے کہا، تو وہ سر ہلاتی ہوئی پیکٹ اٹھا کر باہر نکل گئی، پھر خادم سے چائے کا کہہ کر خود تیار ہونے چلی گئی۔

"یہ دنیا کس قدر حسین ہے، پیاری ہے۔ اس بات کا احساس مجھے تمہارے ہاں آنے کے بعد ہوتا ہے۔" ساحل کی گیلی ریت پر چلتے چلتے اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"اور میرے بعد۔" اظہار بیگ نے جھک کر پوچھا تھا۔

"تمہارے بعد...... تمہارے بعد کوئی منظر بھی دل ونظر کو بھلا نہیں لگتا۔ زندگی تھل کی طرح ویران اور بنجر سی ہو جاتی ہے۔ عجب وحشت سی طاری ہو جاتی ہے مجھ پر، اور پھر میں یونہی ادھر ادھر بھٹکنے لگتی ہوں۔" اس نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا پھر بولی۔ "تم یہاں شفٹ کب ہو گے؟"

"بہت جلد۔ انشاء اللہ۔ سمسٹر کیسے ہوئے تمہارے؟"

"مت پوچھو۔ بہت ٹینشن سوار تھی مجھ پر۔ صحیح طرح سے تیاری نہ کر سکی۔ بس دعا کرو پاس ہو جاؤں۔"

"انشاء اللہ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" اس نے بزرگوں کی طرح اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"رافعہ وغیرہ کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ٹھاک ہیں۔ تم گئے نہیں ان کی طرف؟"

"نہیں آج جاؤں گا۔ چلو تم بھی۔"

"نہیں مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" وہ نظریں جھکا گئی۔ "پھر کبھی چلی جاؤں گی۔" اس نے کہا' تو وہ مسکرا دیا پھر جب وہ جانے لگا تو اس کو یاد آیا کہ اس نے تو اس سے مشورہ بھی لینا تھا۔ یہی سوچ کر اس نے پکارا بھی مگر دوسرے ہی پل اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

"کیا بات ہے؟"

"ابھی تم جاؤ۔ پھر بات کرلیں گے۔" اس نے کہا تو وہ سر ہلا کر واپس پلٹ گیا۔

✦ ◈ ✦

پھر دوبارہ ملنے کی ہی نوبت نہ آئی۔ اظہار بیگ چغتائی کو اچانک ہی واپس جانا پڑ گیا تھا' اور وہ اس سے ملے بغیر ہی چلا گیا تھا۔

اس دن وہ یونہی چلتی ہوئی رافعہ کی طرف جا پہنچی تھی۔ لاشعور میں کہیں یہ بات بھی چھپی تھی' کہ شاید اظہار بیگ کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے کہ وہ اتنی ایمرجنسی میں کیوں چلا گیا۔

"ارے۔ تم۔" رافعہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ "کیسے راستہ بھول گئیں بھئی آج؟" وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"بس چلتے چلتے یونہی پاؤں تمہارے گھر کی طرف مڑ گئے۔"

"اور سناؤ کیا کر رہی ہو آج کل؟"

رافعہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس گزر رہی ہے۔ تم سناؤ۔"

"بھئی میں تو ایم۔ اے کرنے کا سوچ رہی ہوں' گھر بیٹھے بیٹھے بوریت سی ہونے لگی ہے۔" پھر بولی۔

"کافی دنوں سے میں سوچ رہی تھی تمہارے متعلق' دل بھی چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو' مگر تم بھی ایک نمبر کی کمینی ہو ایڈریس تک نہیں دیا اپنا۔" رافعہ نے شکوہ کیا تو وہ سر جھکا کر ر گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس کی اصلیت معلوم ہو۔ اس نے کسی کو بھی یہ نہیں بتایا تھا ک وہ کہاں رہتی ہے۔

"اور لوگ کیسے ہیں۔ ملنا ملانا ہوتا ہے یا کہ نہیں۔"

"ہاں سب ملتے ہیں اور ہاں وہ نوشینہ احمد کی تو بات پکی ہو رہی ہے۔ ابھی کل ہی فو

پر بات ہوئی تھی۔ شاید آج آ جائے کارڈ دینے۔ خاصا مالدار اور ہر قسم کی چیز ہے اس کا ہونے والا ہزبینڈ۔" رافعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہو بھئی۔ بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں ہمارے گھر آج تو۔" عامر اندر داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"کیسے یاد آ گئی آج ہماری؟"

وہ صوفے پر گرتے ہوئے بولا۔

"بس دیکھ لو۔ آ ہی گئی۔" وہ ہنس پڑی۔ رافعہ چائے کا کہنے اٹھ کر چلی گئی۔

"اور سنائیں بھئی۔ کیا کر رہی ہیں آج کل؟"

"فارغ ہی ہوں۔"

وہ ناخنوں پر لگی کیوٹکس کھرچنے لگی۔

"آگے نہیں پڑھیں گی؟"

اس کے چہرے کی مسکراہٹ یکدم معدوم ہو گئی۔

"آنٹی وغیرہ نظر نہیں آ رہیں؟"

"ہاں وہ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی ہیں۔"

"کیوں کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"خاص بھئی خاص الخاص۔ رافعہ نے نہیں بتایا کہ تمہیں؟"

"نہیں۔"

وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ اسی دم فون کی بیل ہوئی' تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ رافعہ چائے لے کر آ گئی۔

"بور تو نہیں ہوئیں تم؟" پھر بولی۔

"دراصل آج کل ہمارا خانساماں چھٹی پر ہے' اس لیے ہر کام خود کرنا پڑ رہا ہے۔" اس نے چائے کی پیالی اسے تھماتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کوئی خاص بات ہو رہی ہے کیا گھر میں؟" اس نے عامر والی بات کے متعلق پوچھا۔ رافعہ چونکی' پھر ہنس پڑی۔

"عامر نے بتا دیا تمہیں۔ بہت کمینہ ہے۔"

"نہیں اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا ویسے بات کیا ہے؟"

اس نے تجسس سے پوچھا۔

"بھئی بات تو خاص نہیں ہے۔ بہت عام سی ہے۔ وہی پیار کو پیار ہونے والی۔" اس نے ایک آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔

"اوہو۔ تو یہ بات ہے مگر تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں پہلے؟" موآب نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"بتانے والی تھی بھئی مگر تمہارے لیے کچھ خاطر مدارات کا بندوبست بھی تو کرنا تھا۔ ویسے فی الحال صرف آدھی پیاری ہوں گی۔ یعنی بات صرف منگنی کی ہے۔ شادی کچھ عرصہ بعد ہوگی۔"

"ویسے کون ہیں ذات شریف؟"۔ موآب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بڑی خاص الخاص چیز ہیں بھئی۔ یوسف ثانی جیسا حسن رکھنے والا کسی ریاست کے شہزادے کی طرح شان و شوکت کے مالک۔"

"اوہو۔ اتنے خاص ہیں کیا؟"

اس نے ہنس کر کہا۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ۔" رافعہ کا انداز مسرور تھا۔

"یعنی مرمٹی ہو ان پر۔"

"وہ ہیں ہی ایسے۔"

رافعہ نے مسکرا کر کہا۔ اسی وقت نوشینہ بھی آگئی' پھر وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ وہ خاصی دیر تک بیٹھی باتیں کرتی رہیں' نوشینہ نے اسے بھی اپنی شادی کا کارڈ دیا اور ضرور سے آنے کی تاکید کی اور وہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ شام بے حد گہری ہوگئی تھی۔

✦ ◈ ✖

"اس روز کوئی ملنے آیا تھا تم سے؟"

ناشتے کی میز پر خانم نے کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی مگر دوسرے ہی پل دوبارہ اپنی پہلی والی حالت میں واپس آگئی' اور بہت اطمینان سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کون ہے وہ؟"

"اظہار بیگ چغتائی۔"

اس کے لہجے میں اطمینان بدستور قائم تھا۔

"یہ کون ذات شریف ہیں؟"

خانم نے چائے کا سپ لے کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے۔ آپ سمجھ گئی ہیں۔"

اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں کیوں آتا ہے وہ؟" ان کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔

"ظاہر ہے مجھ سے ملنے۔"

"کیوں......؟"

خانم نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"دوسرے اور بہت سے لوگ یہاں کیوں آتے ہیں؟

میں نے کبھی آپ سے یہ نہیں پوچھا۔"

اس نے گویا خانم کو لاجواب کر دیا تھا' پھر وہ اطمینان سے کپ میں چائے انڈیلنے لگی۔ خانم چپ ہوگئی تھیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے سپ لے کر چائے پینے لگی۔ کافی دیر بعد خانم نے اس جامد خاموشی کو توڑا۔

"میں کوئی دشمن نہیں ہوں۔ بہت چھوٹی ہو ابھی تم۔ زمانے کے سرد و گرم کا ابھی تمہیں کچھ پتا نہیں۔ برے اور اچھے کی تمیز بھی نہیں کر سکتیں تم۔ میں اگر تمہیں کسی بات سے روکتی ٹوکتی ہوں' تو اس میں تمہاری ہی اچھائی ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں تمہاری عمر میں ایسی ہر بات بری محسوس ہوتی ہے' جو نصیحت کے طور پر کہی جائے' مگر جب ذرا پختگی آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب نصیحتیں' جو اس وقت بری لگتی تھیں وہی بہتر تھیں۔" خانم بہت دھیمے لہجے میں بول رہی تھی' اور موآب کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ اس لمبی چوڑی تمہید کی وجہ جاننے سے قاصر تھی۔ خانم چند لمحوں کو ٹھہرے پھر بولیں۔

"ہمارے ہاں کا یہ المیہ ہے کہ ہم بہت کچھ چاہتے ہوئے بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں کی عورتیں ڈار سے بچھڑے ہوئے پنچھی کے مانند ہوتی ہیں' جنہیں ساری عمر تلاش میں سرگرداں رہنے کے بعد اپنی ڈار نہیں ملتی۔ در در بھٹکنا ہی ان کا مقدر ہوتا ہے۔ کوئی مستقل

ٹھکانا نہیں ہوتا ان کا۔زمانے کی ٹھوکروں پر ہوتی ہیں۔جو چاہتا ہے ایک ٹھوکر لگا جاتا ہے۔بے آسرا' بے سائبان' یہ قوم ہمیشہ یونہی رلتی رہتی ہے۔قدموں میں کچلی جاتی ہے بے چاری' مگر یہ بیچاری کی مجبوری ہے کہ تکلیف کے باوجود وہ رو نہیں سکتی۔وہ بظاہر ہنستی رہتی ہے' مگر اندر ہی اندر اس کی روح بین کرتی رہتی ہے۔مردوں کے اس زمانے میں اس کا کوئی مقام نہیں اس عورت کا' جوتی کی نوک پر رہتی ہے ہر لمحہ۔کتنی اذیت بھری زندگی ہوتی ہے اس کی' مگر اس پر بھی ستم یہ ہے کہ اسے اسی مقام پر رہنا پڑتا ہے۔جینا پڑتا ہے۔وہ چاہتے ہوئے بھی موت کو گلے نہیں لگا سکتی' کہ شاید یہ بھی اس کی بدقسمتی ہی ہے۔

ہمیشہ سکون واطمینان کی متلاشی یہ عورت اس خواہش کو اپنے دل میں مقید کیے کیے ہی منوں مٹی تلے دفن ہو جاتی ہے۔کوئی گھر' کوئی دریچہ اس کے لیے نہیں کھلتا۔یہ اندھیرے میں جیتی ہے' اور اندھیرے میں ہی مر جاتی ہے۔کوئی روشنی اس کی زندگی میں اجالا نہیں بکھیرتی۔زمانہ اسے طوائف کہہ کر دھتکارتا ہے۔زندگی کے ہر موڑ پر اسے یہ احساس دلایا جاتا ہے۔اگر عزت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہے بھی تو نہیں گزار سکتی کہ ہمارے معاشرے میں اسے کوئی بھی توقیر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا' اگرچہ اس کا دامن پاک بھی ہو' مگر پھر بھی یہ دنیا والے اسے قبول نہیں کرتے۔طعنوں تشنوں سے اس کا سینہ چھلنی کر دیتے ہیں یہ لوگ۔اس کے ماتھے پر چسپاں ''طوائف زادی'' کا لیبل اس کی پوری عمر کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔وہ شریف زادی بننا چاہے بھی تو نہیں بن سکتی۔''

موآب نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ان کے چہرے پر گہری اداسی تھی' اور آنکھیں سپاٹ' کافی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ بولیں۔

''کیا وہ لڑکا تم سے واقعی محبت کرتا ہے؟'' موآب نے لمحہ بھر کو انہیں دیکھا' پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔وہ اب ان کی باتوں کا مفہوم کچھ کچھ سمجھ گئی تھی۔

''اور تم؟''

''میں...... مجھے تو زندگی کا احساس ہی اس نے بخشا ہے۔'' اس نے قدرے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

''کیا وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے؟'' موآب نے ان کی بات پر چونک کر دیکھا' پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

''مجھے نہیں معلوم۔کبھی اس موضوع پر بات ہی نہیں ہوئی ہماری۔'' وہ کہہ کر سر جھکا گئی۔

''کیوں......؟'' خانم نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے اور نظریں سامنے دیوار پر جما دیں۔

''کیا صرف وقت گزار رہے ہو تم دونوں؟''

''نہیں۔کم از کم۔میں تو ہرگز ایسا نہیں کر رہی۔''

اس نے جلدی سے کہا۔

''اور وہ؟''

''شاید وہ بھی نہیں۔'' اس نے کہا اور سوچنے لگی۔واقعی ان دونوں نے کبھی اس موضوع پر بات کیوں نہیں کی۔

''میں نے کبھی بھی تمہارے حق میں غلط نہیں سوچا۔ہمیشہ مخلص رویہ اختیار رکھا۔میں تمہاری دشمن نہیں تھی' مگر تم نے۔'' ان کی آواز جانے کیوں بھاری ہوئی۔''میں تمہاری ماں تو نہیں ہوں' مگر ماں بن کر پالا ضرور تھا۔تمہارے لیے میرے دل میں ڈھیروں ممتا ہے۔کوئی بھی ماں اپنی اولاد کو ناخوش دیکھنا نہیں چاہتی اور تم...... تم بھی مجھے اپنا کچھ سمجھو یا نہ سمجھو' مگر میں تمہیں اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہوں' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اپنی اولاد کو ناراض کر دوں۔'' وہ کچھ لمحوں کو رکیں پھر بولیں۔

''تم اظہار بیگ سے کہنا۔وہ مجھ سے مل لے۔''

''جی......''

وہ جو کب سے سر جھکائے بیٹھی تھی یکدم چونک کر سر اٹھایا' مگر وہ کہہ کر فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

خاصی دیر تک وہ یونہی ادھر ادھر ٹہلتی رہی تھی۔رات اگرچہ بہت گزر گئی تھی' مگر اسے پھر بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔خانم کی صبح والی گفتگو اس کے ذہن میں مسلسل گونج رہی تھی۔یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ خانم یوں اتنی آسانی سے رضامند بھی ہو سکتی ہیں' اور جس طرح کا رویہ کچھ دنوں سے جو خانم نے اس کے ساتھ روا رکھا ہوا تھا' اسے دیکھ کر تو وہ ان سے ایسی بات کی امید بھی نہیں کر سکتی تھی' مگر سب کچھ غیر متوقع ہی ہوا تھا۔خانم نے اپنے رویے سے احساس دلا دیا تھا' کہ وہ کچھ نہ کچھ نرم گوشہ ضرور رکھتی ہیں اس کے لیے دل میں۔

مگر شاید روایت کی زنجیروں نے انہیں وقتی طور پر سخت رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا' مگر وہ اسے مسلسل برقرار نہ رکھ سکی تھیں۔ انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ واقعی ایک ''ماں'' ہیں اور اب...... اب اسے خاصی شرمندگی ہو رہی تھی۔ اتنے دنوں تک اس نے کتنی بدتمیزیاں کی تھیں ان کے ساتھ۔ کتنے سخت الفاظ استعمال کیے تھے۔ سوچا تھا تو خود ہی شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ کیا وہ اسے معاف کر دیں گی۔ اس نے سوچا تھا' اور پھر اپنا سر جھٹک دیا تھا۔ وہ یقیناً دل سے اس سے خفا نہیں تھیں کہ ماں کبھی اپنے بچوں سے خفا ہو ہی نہیں سکتی' اور خانم نے اپنے رویے سے ثابت بھی کر دیا تھا۔ اس نے سوچا۔

جو کچھ بھی ہے۔ انہوں نے تو ایک ماں کا فرض نبھا دیا۔ اب مجھے بھی ایک بیٹی کا فرض نبھانا ہے۔ میں ان سے اپنے رویوں کی معافی مانگ لوں گی' اور یقیناً وہ مجھے معاف بھی کر دیں گی۔ خانم واقعی کتنی اچھی ہیں مگر میں...... میں انہیں سمجھ ہی نہ سکی۔ اس نے سوچا تو ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کا حصار کر گئی۔

اور پھر واقعی اس نے خانم کو منا لیا۔ خانم کے کندھے سے سر ٹکائے وہ کتنی ہی دیر تک روتی رہی تھی' اور وہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے چپ کروا رہی تھیں۔ نفرت' اور کدورت کی دھوپ چھٹ گئی تھی' اور اب چار سو محبتوں کی گھنی چھاؤں تھی۔ چہار سو اطمینان تھا' سکون تھا اور آسودگی تھی۔

اس دن خانم اسے شاپنگ کے لیے لے کر گئی تھیں۔ وہ خانم کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی' پھر وہ ایک شاپ پر رک کر کچھ دیکھنے لگی۔ اچانک ہی سامنے سے انصار بیگ چغتائی آ گئے۔

''ارے بیٹا آپ یہاں۔''

آواز پر چونک کر موآب نے اور خانم نے ایک ساتھ سر اٹھایا۔ وہ قدرے فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔

''ارے انکل آپ۔''

جہاں موآب نے خوش دلی سے کہا وہیں خانم ٹھٹک گئیں۔ وہ یونہی رخ پھیر کر کھڑی ہو گئیں' مگر کان اسی سمت لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر تک وہ کھڑے باتیں کرتے رہے' پھر آگے بڑھ گئے۔ جونہی وہ وہاں سے ہٹے خانم تیزی سے آگے بڑھیں۔

''کون تھے یہ؟''

انہوں نے اسی سمت دیکھتے ہوئے کہا' جس طرف کچھ دیر قبل انصار بیگ چغتائی گئے تھے۔ ان کے چہرے پر تفکرات کی گہری لکیریں تھیں۔

''رافعہ کے پاپا ہیں اور اظہار بیگ چغتائی کے تایا جان۔ بہت نائس آدمی ہیں۔ دل خود بخود ہی ان کی عزت کرنے کو چاہتا ہے۔'' موآب نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

خانم نے بغور دیکھا پھر بولیں۔

''آؤ واپس چلیں۔''

''مگر ابھی تو کچھ خریدا ہی نہیں۔''

اس نے حیرت سے کہا۔

''پھر آ جائیں گے۔ دراصل میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔'' موآب نے غور کیا تو واقعی دہل گئی۔ ان کی رنگت واقعی زرد پڑ گئی تھی۔

''کیوں...... کیا ہوا ہے آپ کو؟''

''کچھ... جلدی چلو۔''

ان کی حالت کے پیش نظر موآب نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا' اور گاڑی تک لے آئی۔

گھر آ کر موآب دودھ میں گلوکوز ڈال کر پلانے کے بعد کمرے سے چلی گئی تھی' اور اب وہ اپنی سوچوں کے ساتھ تنہا تھیں۔

''انصار بیگ چغتائی۔''

ان کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔ ''کیوں سامنے آئے ہو اب ہمارے۔ جب ہم سب کچھ فراموش کر چکے ہیں۔ بھول چکے ہیں پھر کیوں کریدنے چلے آئے ہو ان پرانے زخموں کو۔ اتنی آسیں لگائی تھیں رحمہ نے تم سے' مگر تم نے کس طرح اعتماد چکنا چور کر دیا تھا اس کا۔ میری بیٹی کو خون کے آنسو رلایا تھا تم نے انصار بیگ چغتائی۔ بولو کیسے معاف کروں میں تمہیں؟ کیسے معاف کر دوں؟ تمہاری بیٹی' جو ہمیشہ کچھ نہ کچھ جاننے کی کوشش کرتی رہتی ہے تمہارے بارے میں' کیسے بتا دوں کہ وہ اپنے باپ کی یعنی تمہاری وہ بیٹی ہے جسے تم دنیا والوں کے سامنے بیٹی کہہ کر نہیں پکار سکتے۔ کیسے کہہ دوں کہ وہ تمہاری ناجائز اولاد ہے' جسے تم کبھی نہ

اپنا نام دے سکو گے اور نہ ہی پیار۔ کتنے سنگدل ہو تم انصار بیگ' کم از کم اس معصوم بچی کو تو کچھ سکھ دے دیا ہوتا۔ کچھ اور نہیں تو اپنا نام ہی دے دیا ہوتا' مگر تم جیسے مرد اپنی دودھ کے ابال جیسی عمر میں کی گئی کوتاہیوں پر کس خوبصورتی سے فراموش کر دیتے ہیں دوسروں کے لیے کس قدر بڑا عذاب بن جاتی ہیں۔ عمر بھر کا روگ۔"

مو آب کئی دن سے اس کا انتظار کر رہی تھی' مگر وہ آ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ کتنی بڑی خوش خبری تھی اس کے پاس جسے وہ اسے سنانا چاہتی تھی۔ خانم نے اس کے اور اظہار بیگ کے رشتے کے لیے جب سے رضامندی دی تھی' وہ تب سے ہی خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس دن وہ ٹیرس پر کھڑی تھی کہ وہ آ گیا۔

"اظہار بیگ تم۔" وہ مسرت سے بولی' مگر وہ خاصا تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ریلنگ پر ٹک گیا خاصا ڈپریسڈ لگ رہا تھا وہ۔

"خیریت؟" مو آب نے اس کی کیفیت کو بغور دیکھا' پھر بولی۔ وہ چند ثانیے خاموشی سے اسے تکتا رہا' پھر کچھ بولے بغیر اس کا بازو تھام کر نیچے لے آیا۔

"خیریت بھئی آخر ہوا کیا ہے؟" اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا' مگر اس نے اسے گاڑی میں بٹھا کر گاڑی فل اسپیڈ میں چلا دی۔ اس کی مسلسل خاموشی مو آب کا دل ہولائے دے رہی تھی۔ وہ خاصا الجھا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ کسی بھی بات کا اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔ وہ پورے انہماک سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا' پھر اس نے گاڑی قدرے سنسان جگہ پر روک دی۔ وہ سوالیہ نظروں سے اس کی جانب تکنے لگی۔

"اظہار! پلیز جو کچھ بھی ہے صاف صاف کہہ دو۔ اس طرح تو میرا دم نکل جائے گا۔ تمہاری پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی۔" اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اظہار بیگ نے جواب میں اسے چند لمحوں کے لیے خاموش نظروں سے دیکھا پھر رخ پھیر لیا۔

"سنو اگر میں یہ کہوں کہ یہاں تک کی مسافت پر ہی ہمارے سفر کا اختتام ہوتا ہے تو پھر؟" اس نے گول مول سے لہجے میں کہا۔ مو آب کچھ نہ سمجھ سکی۔

"کیا مطلب...... کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مطلب...... مطلب یہ کہ۔" اس نے اس کی طرف دیکھا' پھر گڑبڑا کر نظر

چرالیں۔ "ہم زندگی میں بہت سی چیزوں کی تمنا کرتے ہیں۔ بہت سی چیزوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں' مگر بعض اوقات ہمارے ارادے ہی ہمیں دھوکا دے جاتے ہیں۔ ہم چاہتے ہوئے بھی وہ چیز حاصل نہیں کر سکتے' جو ہمارے لیے بے حد اہم اور ضروری ہوتی ہے۔"

مو آب چپ بیٹھی سنتی رہی پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اس طرح پہیلیاں مت بجھواؤ اظہار بیگ' جو کچھ ہے کھل کر کہو۔"

"کھل کر۔" اس نے مڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا پھر بولا۔ "مو آب تم میری زندگی ہو' میری روح ہو' میری جان ہو' میں نے سچے دل سے تمہیں چاہا تھا' پانے کی تمنا کی تھی مگر......"

"مگر کیا؟" مو آب نے اب کے چونک کر دیکھا۔ اب وہ اتنی نا سمجھ بھی نہ تھی کہ نہ سمجھتی۔ اس کا دل جیسے ساکت سا ہونے لگا تھا۔ دھڑکنیں تھمنے سی لگی تھیں۔

"میں تم سے شادی نہیں کر سکتا مو آب۔ میرے قدموں میں روایتوں نے بیڑیاں ڈال دی ہیں۔" اظہار بیگ کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"کیا......؟" مو آب کا دل جیسے رک سا گیا۔ آنکھوں میں وحشت سی سمٹ آئی تھی۔ ایک تھل کی سی کیفیت چھلک رہی تھی' اس کی سیاہ آنکھوں میں سے۔ اندر ہی اندر چیخ پکار مچ گئی تھی۔ روح بین کرنے لگی تھی۔ اس کے جسم کا ماس سن ہو کر رہ گیا تھا' اور اس کے کانوں میں چیلوں اور کوؤں کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ لگ رہا تھا ابھی کچھ لمحوں بعد وہ سب اس پر جھپٹ پڑیں گے' اور اس کی بوٹی بوٹی نوچ کر کھا جائیں گے۔

"بہت لڑا میں تمہارے لیے' اپنے لیے مگر آخر کار ہار گیا۔ احسانوں نے مجھے باندھ لیا' تایا جان نے اپنے احسانوں کی بہت بھاری قیمت لی مجھ سے' ماں کی اکھڑتی ہوئی سانسوں نے میرے سارے خواب چکنا چور کر دیئے۔"

وہ کہہ رہا تھا' مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ کانوں میں بہت شور تھا۔ بے حد شور۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اتری تھی۔ اظہار بیگ نے اس کا بازو تھاما بھی تھا' مگر اس نے ایک جھٹکے سے چھڑا لیا تھا' اور بھاگتی ہوئی وہاں سے آ گئی تھی۔ اس کے اندر باہر ایک اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ کانوں میں بہت سی آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں' مگر ایک آواز بہت واضح تھی اور وہ تھی امینہ خانم کی آواز۔

''ہمارے ہاں کا یہ المیہ ہے۔ ہمارے ہاں کی عورتیں ڈار سے بچھڑے ہوئے پنچھو کے مانند ہوتی ہیں' جنہیں ساری عمر تلاش میں سرگرداں رہنا ہوتا ہے' مگر تلاش کے باوجود بھی انہیں اپنی ڈار نہیں ملتی...... دردر بھٹکنا مقدر ہوتا ہے ان کا۔ زمانے کی ٹھوکروں پر ہوتی ہیں یہ۔ جو چاہتا ہے ایک ٹھوکر لگا جاتا ہے۔ بے آسرا' بے سائبان یہ قوم یونہی رلتی رہتی ہے' قدموں سے کچلی جاتی ہے بیچاری۔ کوئی گھر' کوئی دریچہ اس کے لیے نہیں کھلتا۔ اندھیرے میں جیتی ہے اور اندھیرے میں ہی مر جاتی ہے۔ کوئی روشنی اس کی زندگی میں اجالا نہیں بکھیرتی۔ ہمیشہ سکون و اطمینان کی متلاشی یہ عورت اس خواہش کو اپنے دل میں مقید کیے ہی مٹی تلے دفن ہو جاتی ہے۔''

اور دوسری طرف رافعہ کی کھلکھلاتی ہوئی شوخ آواز۔

''بڑی خاص الخاص چیز ہیں بھئی۔ یوسف ثانی جیسی خوبصورتی رکھنے والے' کسی ریاست کے شہزادے کی طرح شان و شوکت کے مالک۔''

''اوہو۔ اتنے خاص ہیں کیا؟'' اس کی اپنی دبی دبی تجسس بھری آواز۔

''اس سے بھی کہیں زیادہ۔'' رافعہ کا مسرور' کھویا کھویا لہجہ اس کی سماعتوں میں پگھلے ہوئے سیسے کے مانند تھا۔

بے تحاشا شور تھا اس کے اندر۔ بہت سی آوازیں تھیں۔ سب گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

اس نے شور سے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے' مگر شور تھا کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ پیچھے سے آتے ہوئے تیز رفتار ٹرک نے کتنے ہی ہارن دیے تھے' مگر اس کے اندر کا شور ہی اس قدر تھا کہ باہر کی کوئی آواز سنائی ہی نہ دی تھی اور بالآخر تیز رفتار ٹرک آگے بڑھنے کے چکر میں اسے کچلتا ہوا نکل گیا تھا۔

ایک دلخراش چیخ ابھری تھی۔ وہ کچھ لمحوں تک بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپی تھی' مگر پھر چند ثانیوں میں ہی اس کا وجود ساکت ہو گیا تھا۔ وہ دنیا کی ہر تکلیف' پریشانی اور جھنجٹ سے پوری طرح آزاد ہو چکی تھی' اور اب اس کے چہرے پر مکمل سکون تھا۔ روح جسم کو چھوڑ کر ہر طرح کی فکر سے آزاد ہو گئی تھی۔

✦◈✖